بحمد اللہ [illegible]

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

تاریخ السلف

یعنی

سلطان الہند کی روداد حیات پر ایک مورخانہ تبصرہ

اجداد کرام کا مجمل اور محققانہ تذکرہ

نگاشتہ

مفتی

خاک نشین آستانہ عالیہ اجمیر شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

از قلم

سند المورخین سید العلما علامہ فاضل حضرت مولٰنا سید سلیمان ندوی مدظلہ العالی

تاریخ السلف جو درحقیقت خواجہ بزرگ سلطان الہند کی تنقیدی تاریخ ہی، نظر سے گزری، یہ عجیب بات ہی کہ مسلمان جنکا ہر ملک میں جہاں اُن کا قدم پہنچا ہی یہ فیض رہا ہی کہ اُنھوں نے اپنے تاریخی پرتوِ ذوق سے اُس سرزمین کو تمام تر روشن کردیا ہی، لیکن ہندوستان میں ہندوؤں کی تاریخی ذوق سے یکسر محرومی اسقدر مؤثر تھی کہ مسلمان بھی اُس سے نہ بچ سکے، اُسی کا یہ نتیجہ ہی کہ ہندوستان کے سینکڑوں ہزاروں مسلمان، علما، ارباب فن، اکابر طرق، میں مشکل چند سطریں کسی کے متعلق مل سکتی ہیں، صرف دو طبقہ اس سے مستثنیٰ ہیں یعنی شعرا، اور اولیا، کہ انکے مستقل اور علیحدہ علیحدہ تذکرے متعدد بلکہ بہت سے لکھے گئے، لیکن اوّل تو یہ تمام تر ذخیرہ صرف خرافات کا مجموعہ ہی جسمیں تاریخی حقائق برائے نام ہیں، دوم فضل وکمال اور

زہد و اتقا کی تفصیل اور ثبوت میں عرب مورخین اور سوانح نگاروں کی طرح لوگوں نے اُن کی زندگی کے تاریخی واقعات، سنین وار حالات، اور صحیح اخلاق و اعمال نہیں لکھے بلکہ زیادہ تر عجائب امور، غرائب سوانح، اور کشوف و کرامات کی تفصیل کی، تیسرے یہ کہ باہم روایات کی تطبیق، واقعات کی تنقید، اور اخبار و سنین کی تحقیق کی مطلق کوشش نہیں کی گئی، سچ، جھوٹ، غلط، صحیح جو کچھ سنا معتقدانہ حیثیت سے اُس کو دفتروں میں مرتب کر دیا اُس کا یہ نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان کی سب سے بڑی ہستی کے متعلق سب سے زیادہ اختلافات کا انبار لگ گیا ہی جسمیں اُن کا اصلی سچا تاریخی پیکر اقدس چھپ کر رہ گیا ہی۔

صاحبزادہ مولوی خواجہ سید عبدالباری صاحب معنی اجمیری ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ اُنہوں نے ادھر توجہ کی اور نہایت محنت، کوشش اور جانفشانی سی حضرت سلطان الہند کے تمام کتب سوانح کو یکجا کیا، پڑھا، جانچا اور اُن پر ایک آزاد مورخ کی طرح تنقید کی، اور حضرت خواجہ کے مقدس سوانح کی بہت سی صحیح تاریخیں اور سنین دریافت کئے اور مختلف روایات میں باہم تطبیق، یا ترجیح کی کوشش کی گئی۔

چونکہ اس ذرہ بمقدار کو بھی اجمیر ہی کے ایک آسودہ خاک بزرگ حضرت سید حسین خنگ سوار سے جو حضرت خواجہ سے ایک خاص تعلق رکھتے تھے اور اُن کے معاصر تھے ایک علاقہ نسبی ہی۔

گرچہ خوردیم نسبتے است بزرگ
ذرۂ آفتاب تابانیم

اس لئے تاریخ السلف کا میں خاص طور سے خیر مقدم کرتا ہوں، مصنف اپنے سلیقۂ تحریر، انداز بیان، طرز تحقیق، ہر چیز کے لئے مستحق تحسین ہیں، امید ہی کہ وہ اسی کوشش و تحقیق کے ساتھ خواجہ بزرگ کی کامل سوانح عمری مرتب فرماکر مسلمانوں کو رہین منت بنائیں گے۔

پٹنہ، بہار
۲۲ ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ

سید سلیمان ندوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً
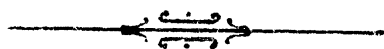
از قلم

شیخ المحدثین امام العلما حضرت الاستاذ الفاضل مولنا حافظ حاجی محمد
قیام الدین عبدالباری الانصاری عم فیضہ الجاری

تقاضائے فطرت انسانی ہی کہ ہر بھلائی اپنے لئے چاہے، اور اگر اپنے سے زیادہ
کسی کی بھلائی چاہی جاتی ہی تو وہ اولاد صوری اور معنوی ہی اُستاذ اور باپ کی تمنا
ہوتی ہی کہ اس کا فرزند سعادتمند اور نامور اپنے سے بھی زیادہ ہو، خوش قسمت ہی
وہ باپ جس کی اولاد اُس کی مرضی کے موافق ہو، خوشا طالع اُس اُستاد کے کہ جسکا
کوئی ہونہار تلمیذ توقع کے مطابق ہو اس اعتبار سے میں اپنے محترم بزرگ صاحبزادہ
والا تبار جناب سید محمد حنیف صاحب کو دلی مبارکباد دیتا ہوں کہ عزیز از جان لیاقت
و سعادت نشان مولانا سید محمد عبدالباری صاحب نعمی اجمیری سلمہ و زید علمہ کا
ایسا فرزند ارجمند ہونہار سعادتمند اللہ نے عطا کیا۔ ساتھ ہی اِسکے کہ میں آنعزیز کے

مشفق استاذہ کی خدمت میں تہنیت مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ بحمد اللہ نے یہ دولت عطا فرمائی کہ ایسا ذکی، خوش خلق، خوش فکر، شوقین علم و کمال، جوان ہمت، غیور طبع، اور منقاد، اس زمانہ قحط الرجال میں تلمیذ ملا مجھے جو دلی محبت آنعزیز کے ساتھ ہے اور جو عنایت الفت انکے ساتھ ہے اسکو لحاظ کرتے ہوئے میں اُن کی مدح سرائی اور توصیف سے قطع نظر کرتا ہوں کہ مبادا طول نہ ہو جائے، اصل مدعا سردست یہ ہے کہ عزیز موصوف نے سب مجھے کمال درجہ مسرور کیا۔ ابھی ایک تصنیف بھیجی سال گزشتہ تک وہ میرے پاس تھے اور دور طالب علمی کی جفائیں سہ رہے تھے اس سے نجات پائی، سند مولانا ملی، گھر واپس ہوئے، اللہ نے سب طرح کا چین اور عیش عطا فرمایا ہے۔ مدت کی محنت کے بعد بھی سستائے نہیں، کاہلی نہیں کی، بلکہ اپنے علم سے مشغلہ رکھا اور ایک نادر ارجوزہ لکھا، دیکھنے میں جو کام انہوں نے کیا وہ سہل ممتنع ہے اور سنیئے تو کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے سوانحعمری حضرت خواجہ خواجگان سلطان عرفا، برہان عاشقان ولی الہند، قطب دوران، وسیلتنا فی الدارین معین الحق والملۃ والدین قدست اسرارہم بہت لکھی گئیں، اس لئے یہ کوئی جدت نہ تھی، لیکن جس طریقہ بدیعہ سے جدت طراز طبیعت نے صاحبزادہ موصوف کی یہ خدمت انجام دی ہے، اُسکے لئے کہا جا سکتا ہے کہ عدیم المثال ہے، جو کچھ اسکے متعلق مکرمی مولانا سید سلیمان صاحب ندوی عم فیضہ نے لکھا ہے مجھے اُس پر اضافہ کی حاجت نہیں، میں اُسکے دوسرے حصہ کے بارے میں، ابھی

طرف سے اتنا اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ صاحبزادہ سعادت نشان نے بامحل تحقیق نسب صاحبزادگان عرف خادمانِ بارگاہِ سیدالاولیا کثرت امثالہم کرکے ایک بڑی غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے، جو دشمنوں نے پھیلا رکھی تھی، اور جس سے دوستوں کو تکلیف ہو رہی تھی، یقیناً مجال گفتگو معاندین کو باقی نہیں رہی، اور اگر ہو تو ضروری تدارک فوراً کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ صاحبزادۂ موصوف کو بدیر سلامت رکھے اور افاضۂ خلائق میں مصروف رکھے کہ اُن کی ذات سے ہزاروں اُمیدیں وابستہ ہیں۔ یہ نمونہ ہی اُس قابلیت کا جو اللہ نے اُن کو عطا فرمائی ہے۔ والسلام

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

فرنگی محل لکھنؤ
۲۹ ذیقعدہ (دوشنبہ) ۱۳۴۳ھ

فقیر محمد قیام الدین عبدالباری عفا اللہ عنہٗ

اَللّٰہ غالبٌ علیٰ اَمرِہٖ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبارک ذوالعرش الذی ھو ابید
لنا الدین واختار النبی محمدا

حمد و نعت

اے جہاں دیدہ بود خویش از تو	ہیچ بود سے نبود پیش از تو
آفرینندۂ خزانۂ جود	مبدع و آفریدگار وجود
سازمند از تو گشت کار ہمہ	اے ہمہ آفریدگار ہمہ
تو دہی صبح را شب افروزی	روز را نور و مرغ را روزی

بحیات است زندہ موجودات
زندہ لیک از وجودلست حیات

نقطۂ خطّ اوّلیں پرکار	خاتم کار آفرینش کار
اوّلیں گل کہ آدمش بفشرد	صاف او بود دیگراں ہمہ دُرد
و آخریں دور کاسماں راند	خطبۂ خاتمیتش خواند
پنج نوبت زنِ شریعت پاک	چار بالش نہ ولایتِ خاک

ہمہ ہستی طفیل او مقصود
او محمد رسالتش محمود

جہت ترتیب

بارہا گفتہ ام و بارِ دگر میگویم	کہ من دل شدہ این رہ نہ بخود می پویم
در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند	آنچہ اُستادِ ازل گفت بگو می گویم

سیلاب انقلاب کے مدّوجزر نے بے شمار کرشمے دکھائے۔ دنیا کی تلوّن مزاجی نے نئے نئے روپ بدلے۔ زمانہ نے مختلف کروٹیں لیں۔ تعینات نے عجیب عجیب صورتیں اختیار کیں۔ زمین پر ہزارہا خوش آیند و ناگوار واقعات کی رونمائی ہوئی۔ آسمان پر گوناگوں الوان کا مشاہدہ ہوا۔ قومیں ترقی و تنزل کی مختلف گھاٹیوں سے گزریں۔ مذاہب نے سطح ارض پر متعدد بار ہنگامہ آرائی کی لیکن ارتقاء و انحطاط کے اس انقلابی دَور اور لیل و نہار کی اِس متوالی گردش میں ملّت اسلام اور پرستاران توحید و رسالت کے لئے زمانہ حال سے زیادہ خطرناک اور بلا خیز کبھی کوئی وقت نہیں آیا جبکہ، اسلامی تعلیم، دینی اخلاق، مذہبی تہذیب، خدائی ارشاد سے قطعاً اعتنا فراموشی کی جا رہی ہے اور اتحاد اسلامی کا شیرازہ منتشر اور پراگندہ ہو چکا۔ ذاتی مناقشات، باہمی نزاعات، نفسانی خواہشات، ناجائز توقعات کی خفیف تحریک سے صرف ذاتیات ہی پر نہیں بلکہ سلف و خلف پر حملے اور وہ بھی رکیک حملے کئے جاتے ہیں۔

اگر حقیقتِ اسلام در جہاں این است
ہزار خندہ کفر است بر مسلمانی

یہی ہے وہ پرفتن زمانہ جسے آثار شر و فتن سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور یہی ہے وہ نازک ترین عہد جو قیام قیامت کا مقدمہ کہلا سکتا ہے۔

پراگندہ شد تخم کین در طبائع   غرور و حسد گشت در خلق شائع
شد آداب و اخلاق یکبارہ ضائع   نفاق و حسد گشت از شرق طالع

نہ الفت بجا ماند نے آشنائی
بدل شد در آفت ز بغض و جدائی

نہ اعزاز دین و نہ حفظ شریعت   نہ علائے ملت نہ تائید دولت
نہ تقلید مذہب نہ اتباع سنت   نہ تعظیم اہل علوم و فضیلت

نہ پاس بزرگی سادات انجبا
نہ توقیر اہل کمالات انجبا

عرصہ سے خیال تھا کہ اولین فرصت میں تذکرہ سلف پر قلم اٹھائیں گے، لیکن اس بسیط موضوع پر کچھ لکھنے کے لئے کامل توجہ اور طویل وقت کی ضرورت تھی اسلئے آجتک اس خیال کی ترجمانی نہو سکی۔ البتہ یہ نقش کسی وقت بھی دل سے محو نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ اس باب میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہی ہوتا رہا اور بعض اوقات جستہ جستہ انتخابات بھی معرض تحریر میں آتے رہے۔

لیکن آج واہمہ پرست معاندین کے توہمات باطلہ اور جارحانہ طریقۂ عمل سے جو صورت حال پیش آئی اُسکے پیہم و متواتر اصرار و تاکید نے مجبور کر دیا کہ فی الحال

اپنے اسلاف کرام کا مختصر تذکرہ سپردِ قلم کر دیا جائے اور بعد میں باطمینان تمام اپنے خیال کے مطابق ایک بسیط روداد بھی لکھدی جائے۔

چنانچہ یہ مختصر تذکرہ گویا اُس تفصیلی روداد کا ایک مقدمہ ہی جس کے لئے ہمارے عزیز لمحات کا بیشتر حصہ وقف ہو چکا ہی اور جو کچھ عرصہ کے بعد ہی عالم تحریر میں آنے والی ہی۔

اپنا نقطۂ نگاہ

دنیا کے مشہور حکیم افلاطون کا قول ہی کہ ہر کتاب اپنے مصنّف سے جدا ہو کر اس سے پہلے کہ قدر شناسوں اور منصف مزاجوں کے مطالعہ میں آئے اُن کم ظرف نا اہلوں کے ہاتھ پڑتی ہی جو اُس پر حرف گیری اور نکتہ چینی کرتے ہیں، چنانچہ عرب کی مثل ہی من صنّف فقد ھدف۔ اس لئے ہم جانتے ہیں کہ ہماری یہ تالیف منصفین سے خراج تحسین حاصل کرنے کے پیشتر حاسدین کی ملامت وطعن کا نشانہ بنیگی، مگر ہم اس سے مستغنی ہیں اسلئے کہ دنیا کا عام دستور ہی؛

مہ نور می فشاند و سگ بانگ میزند

نہ اس سے ہماری صداقت مجروح ہو سکتی ہی نہ ہمارے خاندانی اور آبائی وقار میں کوئی فرق آسکتا ہی۔

در فطرتِ کامل نہ کند حادثہ نقصان
یاقوت چو سائیدہ شود قوتِ روح است

ہم نے اپنا قومی فرض منصبی ادا کیا ہی۔ ہمیں تحسین وآفرین کی تمنا نے کبھی اس پر آمادہ

نہیں کیا اسلئے ہم کبھی اس کے متمنی اور خواہشمند نہیں ہوئے۔

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے

ہاں منصفین کی شکر گزاری ایک اخلاقی فرض ہے اسلئے ہم اُن کے شکر گزار ہیں جو اپنا بیش بہا وقت اس تالیف کے صحیح نقد و مطالعہ میں صرف فرمائینگے۔ اور اُن لوگوں کو سراپا معذور سمجھتے ہیں جن کی چشم خرد پر تعصب کی عینک چڑھی ہوئی ہے اور تاویل بیجا اُن کی طبیعت ثانیہ ہو چکی۔

سعی ہر غرور ہیں کہ بنزد مباحثاں
مطلب تمام گشت وہماں بر قرار بحث

پس اُن لوگوں کی اس معذوری کو نظر انداز نہ کرتے ہوئے اُن سے درگزر کرنا بھی دنیائے اخلاق کے مراسم حسنہ سے خیال کرتے ہیں۔

فن تاریخ

فن تاریخ کی ایجاد و اختراع کا فخر کس قوم کو حاصل ہوا۔ دنیا میں کس تاریخ نے اولیت کا تاج پہنا کس مورخ کے اثر قلم نے حُسن قبولیت پایا۔ چونکہ یہ بحث اس تالیف کے موضوع سے خارج ہے اسلئے اِس سے قطع نظر کرکے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ تاریخ کسے کہا جاسکتا ہے اسکے اصول کیا ہیں اس کا مفاد کیا ہوتا ہے۔

دنیا جانتی ہے کہ تمام تاریخوں میں زمانہ گزشتہ کے واقعات اور دور ماضی کی سرگزشتیں ہیں اور تاریخ ہی ایک ایسا ذریعہ ہے کہ اس کی بدولت موجودہ نسلیں اپنے اسلاف سے روشناس ہو سکتی ہیں اور یہی وہ آئینہ ہے جس میں قرون سابقہ کی نظر فریب اور بدنما صورتیں نظر آتی ہیں اور اسی کی ہستی کے ساتھ دنیا کی قوموں اور ملتوں کا نام باقی ہے لیکن اس حقیقت پر غور کرنے والے لوگ بہت کم نکلیں گے کہ تاریخ کن اجزا سے ترکیب پائی ہے۔ اسکے شروط کیا ہیں۔ حالانکہ ادنیٰ توجہ سے حل ہو سکتی ہے کہ ہر قوم کے آثار قدیمہ اور اس کی تاریخ اسی قوم کے افراد کی زبانی معلوم ہو سکتی ہے۔ صاحب البیت ادری بما فیہ۔ پھر انہی زبانی روایات کو جب کوئی مورخ ایک مرتبہ صورت میں پیش کرتا ہے تو کچھ عرصہ کے بعد یہی روایات اہل عالم کے لئے سند و تاریخ ہو جاتی ہیں۔ دنیا کی کوئی تاریخ اٹھا کر دیکھ لو ممکن نہیں کہ اس کا منتہیٰ اور مبنیٰ زبانی روایات پر نہ ہو۔

عرب کے گزشتہ مورخین اسلام نے جب واقعات کو مورخانہ حیثیت سے لکھنا شروع کیا تو اول اول ایک عرصہ تک یہ طریقہ جاری رکھا کہ ہر واقعہ کو حدیث رسالت کی طرح بالاسناد روایت کیا یعنی سلسلہ اسناد کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور ہر ایک روایت کو قلمبند کرتے وقت اسمائے رواۃ بھی تحریر کر دیے۔ اسی بنا پر [illegible] یہ ہے کہ ملت اسلام کے سوائے دنیا کی کسی قوم [illegible] خصوصیت کے [illegible] اپنی تاریخ نہیں لکھی، چنانچہ اسلامی مورخین کے اس [illegible]

واقعہ حاصل کیا کہ اسکے بعد ناظرین تاریخ کو کوئی دشواری باقی نہیں رہتی تھی مثلاً بہ
شخص رواۃ اخبار کی مختلف حیثیات کا موازنہ کرکے ہر واقعہ کی صحت کا یقین خود
کرسکتا تھا لیکن زمانہ مابعد میں یہ طریقہ متروک ہوگیا اور صرف واقعات ہی کی تحریر
پر اکتفا کیا گیا۔ اب متاخرین کے نزدیک روایات کی صحت وعدم صحت کا کوئی معیار اور
واقعات کے صدق وکذب کا کوئی اعتبار باقی نہ رہا ایک عرصہ تک یہی صورت حال
یونہی قائم رہی اور بالآخر متاخرین مورخین نے تاریخ نویسی کے نئے اصول ایجاد
کئے تاکہ کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ پس رطب ویابس واقعات کو
انتقاد کی کسوٹی پر آزمایا اور دیکھا، روایت ودرایت کا بجا استعمال کرکے صحیح
حالات معلوم کرنے میں تحقیق وتدقیق سے سرمو پہلوتہی نہ کی، اسکے بعد تاریخ ترتیب دی،
اور (؟) عقلی ونقلی سقیم روایات کو کبھی تسلیم نہیں کیا پھر سب سے بڑی خوبی یہ کہ واقعات
کے اسباب وعلل بیان کرنے میں اپنی ذاتی رائے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ اس آخری
صورت نے ملک میں وہ شہرت پائی کہ آج ہر مورخ انہی اصول کے ماتحت لکھنے کی
کوشش کرتا ہے اور یہی وہ اصول ہیں جن کی رعایت سے ایک قریبی واقعہ کی نسبت
زبانی روایات یا وہ گذشتہ واقعات جو صفحات تاریخ پر آچکے ہیں صحیح وغیر صحیح قرار
دئے جاتے ہیں۔ اس سے سروکار نہیں کہ ان اصول کی ایجاد واختراع کا ناز وشرف کس
قوم کو حاصل ہے۔ بہرحال علی اختلاف الاقوال وہ یورپین اقوام ہوں یا مورخین
اسلام ہر حال شکریہ ضرور ہے

آج اس واقعہ سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ درایت کے ذریعہ سے قبل و
بعد کے جملہ مورخین نے واقعات کی جانچ پرتال کی البتہ اسکے طریقہ استعمال میں ہر وقت
جدا جدا اختراعات ہوتی رہیں لیکن کسی وقت بھی نفس درایت متروک نہیں سمجھی گئی،
یہی وجہ ہے کہ متضاد اقوال اور متبائن بیانات کسی تاریخ میں نہیں بتائے جا سکتے،
اسلئے کہ ہر تاریخ درایت کی روشنی میں لکھی گئی ہی ہاں یہ تذکرہ نویسوں کا انداز بیان
ضرور ہی کیونکہ اُنکے نزدیک درایت کسی حقیقت کا نام نہیں بلکہ وہ صرف روایات
کا یکجا جمع کر دینا ہی کافی سمجھتے ہیں سب سے زیادہ تعجب تو اُسوقت ہوتا ہی جبکہ تذکرہ
نویس حضرات واقعات میں تسلسل و ترتیب کا خیال بھی نہیں فرماتے اور پھر اُس پر
یہ طرہ کہ متضاد بیانات بالمقابل موجود ہیں۔

آنکس است اہل بشارت کہ اشارت داند
نکتہ ہاہست بسے محرم اسرار کجاست

تاریخ و تذکرہ میں فرق

دو مورخ جب اپنے عصر کے کسی واقعہ کی تاریخ پر قلم اُٹھاتے ہیں تو زبانی روایات
کے سوائے کوئی دوسری چیز انہیں اس ترتیب میں مدد نہیں دیسکتی پس یہ ہوتا ہے کہ
خشک و تر تمام واقعات فراہم کیے جاتے ہیں۔ اب چونکہ ہر مورخ فطرتاً اک جداگانہ
مذاق رکھتا ہی اسلئے واقعات کی صحت و عدم صحت کا معیار روایات کے صدق و کذب کا

اعتبار ہر ایک کے نزدیک علیحدہ علیحدہ ہوتا ہی لہٰذا یہ دونوں جس وقت انتخاب اخبار پر غور کرتے ہیں تو رواۃ کی حیثیت ہر مورّخ کے نزدیک ایک نہیں ہوتی اسی کا اثر بعض بیانات میں یہ دونوں تاریخیں بھی دو زبان ہو جاتی ہیں لیکن متضاد اقوال کسی تاریخ میں کبھی نظر نہیں آئینگے اس لئے کہ اس اختلاف کا مبنیٰ صرف درایت کا فرق ہوتا ہی۔

اس کے برعکس وہ تذکرہ نویس جب کوئی تذکرہ لکھتے ہیں تو تاریخی اصول سے انھیں کچھ سروکار نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے تمام گوش زدہ واقعات کو حوالۂ قلم کر دیتے ہیں۔ اب چونکہ اُن کی اس تالیف میں درایت کا ہاتھ نہیں ہوتا اسلئے متبائن اقوال اُن کی زبان قلم سے نکل جاتے ہیں اور انہیں کبھی اس کا احساس بھی نہیں ہوتا لیکن انہی سطحی تذکروں پر جب دو چار صدیاں گزر جاتی ہیں تو فطرت انسانی کا معمولی مذاق ایسے ہی تذکروں کو ایک مستقل تاریخ سے تعبیر کرتا ہی اور عامیانہ طبیعتیں اس سے اس طرح استناد و استدلال کرتی ہیں جس طرح ایک مستند تاریخ سے کیا جاسکتا ہی

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند

نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند

ایک زمانہ گزر جانے کے بعد جب ایک مورّخ اسی واقعہ کی جانب توجہ کرتا ہی تو اگر اسکے مطالعہ میں یہ دونوں گزشتہ تاریخیں ہیں تو گویا اُسکے سامنے ایک ہی لڑی میں واقعات کے موتی ترتیب کے ساتھ پروئے ہوئے ہیں بس اسے ترتیب

تالیف میں نقد و تبصرہ کے لئے کافی وقت ملجاتا ہی اور اس کی تاریخ تاریخی اصول
کے مطابق ایک مابہ الاعتبار تصنیف ہوتی ہی۔ لیکن اگر اسکے ماخذ یہ دو تذکرے
ہیں تو اس کی نگاہ درایت ان دونوں تذکروں سے بھی اقتباس واقعات کرتی ہی
لیکن ترتیب واقعات میں ایسے سینکڑوں اُلجھنیں پیش آتی ہیں۔ کیونکہ دو متبائن اقوال
میں کسی قول کو ترجیح دینے کے جو اسباب ہوتے ہیں وہ اس وقت موجود نہیں جیسے
وہ رواۃ جو اس واقعہ کی صراحت اپنے چشم دید بیانات سے کر سکتے ہیں غرضکہ ایک
مورخ کو انتخاب واقعات میں سخت دشواریاں اسلئے پیش آتی ہیں کہ روایت و درایت
کے تمام اصول کا لحاظ اُس کا فریضہ لازمی ہوتا ہی اور اسکے برخلاف ایک تذکرہ
نویس کبھی اس طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا بلکہ وہ بلا پس و پیش اور بغیر کسی غور و
فکر کے آسانی کے ساتھ سماعی اور کتابی تمام واقعات سے اپنے تذکرے کے صفحات
پُر کر دیتا ہی۔ یہی وجہ ہی کہ آج دنیا میں تاریخوں سے کہیں زیادہ تعداد میں تذکرے موجود
ہیں لیکن کسی مورخ کی دقیع نگاہیں کبھی اُن پر نہیں پڑتیں۔ مگر ہاں جب اُس واقعہ پر کوئی تاریخ
لکھی ہی نہ گئی ہو تو ایسی حالت میں وہ بمجبوری ان تذکروں سے استنباط واقعات
پر آمادہ ہوتا ہی اور جو دقتیں اُسے اس وقت پیش آتی ہیں وہی شخص کچھ جان سکتا ہی
جو اسی طرح اقتباس و انتخاب کے دشوار مراحل سے کبھی گذرا ہی۔

اسیرِ عذرِ لنگی وسعت صحرا چہ میداند
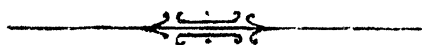
سلطان الہند کی روداد حیات اور تذکروں کے متضاد بیانات

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم
چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

دورِ سلف کے تمام تذکرہ نگاروں نے حضور اقدس کے واقعات حیات میں
شاعرانہ مبالغہ آمیز حاشیہ آرائی کی کہ آج اس مقدس دور کے صحیح اور اصلی حالات
کی دریافت میں سخت الجھنیں پڑ گئیں۔ اس میں شک نہیں کہ عقیدتمندانہ شانِ غلو
بحالہ قائم اور فصاحت کا انداز بدستور موجود ہے لیکن مورخانہ تحقیق و تدقیق قطعاً مفقود
یہی وجہ ہے کہ اگر آج ان تذکروں کا مطالعہ کیا جائے اور اس گذشتہ عہد کے کسی نامور
بزرگ کے حالات پڑھے جائیں تو ٹھیک یہ معلوم ہوتا ہے کہ آخری کسی والی سلطنت
کی مدح میں قصیدہ خوانی کر رہا ہے پھر اگر اس پر بھی کفایت کی جاتی تو بسا غنیمت تھا
مگر ستم ہے کہ تذکرہ نگاروں نے ترتیب واقعات میں کبھی درایت کی نگاہ سے
توجہ نہیں فرمائی چنانچہ اب ان واقعات پر تاریخی نظر سے جب غور کیا جائے تو پہلے سے
لیکر وہاں تک تمام اقوال متضاد و متبائن نظر آئیں گے اور ہر تذکرہ بجائے اسکے
کہ کسی واقعہ کی نسبت معلومات میں اضافہ کرتا خود ایک ایسی چیستان ہے جسکا انحلال
شعور انسانی کے منتہائے نظر سے کہیں بلند ہے حالانکہ ایک زبردست مورخ کا قول ہے
کہ ہر شخص کے حالات اس طرح بیان کئے جائیں کہ ہر واقعہ کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے

اس سے ہمارا یہ مقصد کبھی نہیں ہی کہ ہمارے خداوند نعمت کے خوارق عادات وکرامات سے قطع نظر کر لی جائی بلکہ ہمارا تو یہ ایمان ہی کہ اُن دوستانِ خدا کا مقام اُس فضا میں ہی جہاں تک حقیقت بین نگاہیں بھی آسانی کے ساتھ باریاب نہیں ہو سکتیں اور خوارق عادات وکرامات سے دُنیا کی وہ کونسی قوم ہی جسے انکار ہو سکتا ہی بلکہ اس مافوق الفطرت قوت کی نسبت ہر قوم اپنے اعاظم رجال کی جانب کرتی آئی ہی۔

نہ ہماری یہ غرض ہی کہ اُن قدیم داستان سرایانِ سلف کی غلطیوں پر طعن کریں جس سے اُن کی پاک زندگی پر کوئی حرف آئے بلکہ ہمیں عقیدت ہی کہ اُن قدیم مصنفین کا طرزِ عمل طریقۂ حسنہ تھا وہ بزرگ ترین بندگانِ الٰہی سے تھے اُنھیں توحید و رسالت پر کامل اعتقاد و اذعان تھا وہ نائب النبی سے پُرخلوص عقیدت کی نسبت رکھتے تھے۔ اُن سے یہ تمام غلطیاں کسی ذاتی غرض کی وجہ سے عالمِ وجود میں نہیں آئیں بلکہ اُن کی یہ تمام خطائیں خطائے اجتہادی کی حد سے ذرہ بھر متجاوز نہیں ہو سکتیں۔ لیکن اثباتِ مدعا کے لئے یہ ضروری تھا کہ سلطان الہند کے اُن واقعات زندگی پر روشنی ڈالی جائے جو تذکرہ نویسوں کی جنبشِ کلک اور لغزشِ قلم کا نشان و اثر ہیں پس یہ بتانا ہی کہ ایسی پاک اور مقدس ہستی جس کے سر پر عالمِ قدس کی شہرۂ آفاقی کا تاج ہی اور منت شناس سرزمینِ ہند قیامت تک اس احسان کو فراموش نہیں کر سکتی کہ اس فردِ کامل کے فیضانِ مقدمت اور روحانی پرتو سے اس سرزمین پر رشد و ہدایت کے چشمے جاری ہوئے اور اس خاکِ پاک کا ایک ایک ذرہ روشن

آفتاب و ماہتاب ہوا لیکن تعجب اور سخت تعجب ہی کہ با ایںہمہ اس آفتاب رشد و ہدایت کے حالات زندگی پر جب تاریخی نگاہ سے تنقیدی تبصرہ کیا جائے تو تاریکی میں نظر آئیں گے۔

برفت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بو العجبی است

چونکہ ہمیں اختصار ملحوظ ہی اسلئے مشتے نمونہ از خروارے صرف دو چار تذکروں کے متبائن بیانات سے نقاب اُٹھایا جاتا ہی تاکہ وہ تمام عام لوگ جو اِن تذکروں کو آسمانی صحائف کے بعد مایہ الاعتبار سند سمجھتے ہیں اس سے واقف ہو جائیں کہ یہ سب تذکرے بیک زبان کس قدر غلط بیان واقع ہوئے ہیں اور آفتاب چشت کے واقعات حیات کو ان کی غلط بیانیوں نے کس قدر تاریک بنا دیا ہی۔ انہی تذکروں پر اگر کوئی منصف مزاج قیاس کریگا تو ہمیں یقین ہی کہ باقی ماندہ تمام تذکرے بھی اس عیب و نقصان سے ہرگز مبرّا نظر نہیں آئیں گے۔ ہم جس وقت تفصیلی روداد پر قلم اُٹھائیں گے اُس وقت اُن پر بھی تفصیلی نظر سے دریغ نہیں کیا جائیگا۔ وَمَا تَوْفِيقِي اِلَّا بِاللهِ۔
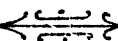
سیر العارفین

شیخ حامد عرف مولانا جمالی ابن شیخ فضل اللہ سہروردی کی تصنیف ہی عہد ہمایونی میں اس کتاب نے صورت ترتیب حاصل کی۔
چونکہ متضاد بیانی تذکرہ نویسوں کی سنت دیرینہ ہی اسلئے یہ ممکن نہ تھا کہ شیخ جمالی

علیہ الرحمۃ اس سے بری ہو جاتے۔ ان کی غلط بیانی ایک ایسی بداہت ہی جس سے کسی شخص کو بھی انکار نہیں ہو سکتا اسلئے کہ نائب النبی کی روداد حیات میں صرف چند ضروری اور بدیہی حقیقتوں کے سوائے بعض واقعات سرتاپا غلط ہیں۔ مصنف مرحوم نے کسی واقعہ کا سنہ و تاریخ لکھنے کی تو گویا قسم ہی کھالی ہی صرف زبانی روایات کی تحریر پر اکتفا کیا ہی تاکہ غلط بیانی کا راز فاش نہو جائے۔ لیکن کیا حقیقت چھپائے سے چھپ سکتی ہی بالآخر آشکارا ہو کر رہی۔ فی الحال اس سے بحث نہیں کہ اس غلط بیانی کا مقصد اصلی کیا ہی خدا نے چاہا تو اپنے وقت پر یہ بھی بیان کر دیا جائیگا۔ کُلّ امرٍ رہینٌ باوقاتھا، سیر العارفین کی ایک عجیب خصوصیت یہ ہی کہ بدیہیات کا انکار کیا گیا ہی اور وہ بھی کھلے الفاظ میں اسلئے یہ کتاب اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک عجیب چیز ہی۔ اسوقت ہم سرکار نائب النبی کے اُن حالات پر ناقدانہ حیثیت سے بحث کرتے ہیں جو کتاب سیر العارفین میں درج ہیں

تنقید مصنف مرحوم کا بیان ہی کہ حضرت غریب نواز ڈہائی سال اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں رہے باون ۵۲ سال کی عمر میں خرقہ خلافت حاصل فرمایا۔ پیر و مرشد سے رخصت ہونے کے بعد جیلان میں تشریف لیجا کر حضرت محبوب سبحانی غوث الاعظم سے ملاقات فرمائی ستانوے ۹۷ سال تک اپنے جمال باکمال سے اس خاکدان کے ظلمت کدہ کو روشن اور منور فرمایا۔

اگرچہ مولانا جمالی نے سن وصال تحریر کرنے سے پہلو تہی کی ہی لیکن غالبًا

دنیا کے کسی مورخ کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ۶۳۲ھ یا ۶۳۳ھ میں علی اختلاف الاقوال حضرت غریب نواز نے وصال فرمایا مولانا جمالی خاندان سہروردیہ کے قطب مدار اور علم و فضل میں یگانۂ روزگار ہی سہی لیکن وہ کبھی اس واقعہ سے انکار نہیں فرما سکتے جس کا انکار انکار الشمس فی النہار کا مترادف ہی پس ہم ۶۳۲ھ سن وصال تسلیم کرتے ہیں جو ہمارے نزدیک صحیح قول ہے اب چونکہ مصنف مرحوم کا بیان ہے کہ ستانوے سال کی عمر مبارک تھی لہذا ۶۳۲ھ سے ۹۷ کم کر دیے جائیں تو ۵۳۵ھ ہوتے ہیں پس مولانا جمالی کو لا محالہ یہی سن ولادت تسلیم کرنا پڑیگا۔ اب مولانا جمالی ہی کا بیان ہے کہ سرکار والا تبار نے باون سال کی عمر میں پیر و مرشد سے رخصت و اجازت اور نعمت خلافت حاصل فرمائی گویا ۵۸۶ھ میں پیر و مرشد سے رخصت حاصل فرمائی غور کرنا چاہیے کہ اب شیخ جمالی کا یہ قول کہاں تک صحیح و درست ہو سکتا ہی حالانکہ متفق علیہ یہ مسئلہ ہے کہ ۵۶۱ھ میں حضرت غوث پاک نے عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف قدم رنجہ فرمایا۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

حالانکہ اول کتاب میں مولانا جمالی کا ارشاد ہی کہ یاران طریقت نے اصرار کیا کہ بزرگان کرام کے جس قدر حالات بحالت سفر معلوم ہوئے ہیں قلمبند کر دیے جائیں میں نے اول اول معذرت کی لیکن دل میں یہ خیال بار بار گزرتا تھا کہ ان بزرگوں کے حالات معرض تحریر میں لاؤں۔

زیرا کہ بیشترے احوال و اعمال اسلوب
و منوال این بزرگان اہل کمال بعضے
مجاوران جہل و معتقدان نااہل در صفوف
افواہ مردمان نادہ قوف سخنان مختلف
غیر واقع انداختند و مستمعان مبہوت و نا
ثبوت کہ بدان کلمات اعتقاد و اعتماد
می نمایند باز دارم و آنچہ از احباب مرم
اخیار متین و از کتاب مستطاب انس
و دین از روے یقین مرا معلوم و مفہوم
شدہ است در تحریر آرم۔

اِس لئے کہ ان مقدس افراد کے حالات مبارک
کے متعلق بعض سادہ لوح مجاورین اور نااہل
معتقدین نے کم سمجھ لوگوں میں خلاف واقع
اور دور از کار باتیں پھیلا رکھی ہیں اور سُننے
والے بلاتحقیق انہی باتوں پر ایمان لے
آتے ہیں۔ (مجھے خیال ہوا کہ) میں اِس کا
سدباب کر دوں اور جو کچھ رواۃ ثقات
اور روایات معتبرہ سے مجھے معلوم ہوا ہے
درایت کی روشنی میں سپرد قلم
کروں۔

یہ عبارت پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا تھا کہ مصنف کی کوئی روایت حد تحقیق
سے ذرہ برابر متجاوز نہ ہوگی لیکن خدا کی شان کہ غلط بیانی تو برطرف کتاب میں متضاد
اقوال موجود ہیں اس پر بھی اگر ہماری اُمیدیں مجروح نہ ہوں تو کیا ہو کہ سب سے پُرانی
کتاب تذکرہ سیر العارفین کا یہ حال ہے۔

برافگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاراں دیگرے را می پرستند

اخبار الاخیار یہ کتاب شیخ المحدثین عبدالحق قدس سرہٗ کی تصنیف ہی صاحب موصوف کو علوم عقلیہ ونقلیہ میں کامل دستگاہ حاصل تھی بالخصوص فن حدیث میں انہماک تام اور خاص غلو تھا مصنف مرحوم نے ہمارے قطب مدار سرکار ردالاشبار کے حالات اس اختصار کے ساتھ قلمبند فرمائے ہیں جس سے اسکے سوائے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ خواجہ بزرگ نے بیس سال پیر و مرشد سے استفادہ فرمایا بعدہٗ خرقۂ خلافت زیب تن فرما کے عہد پتھورا میں اجمیر تشریف فرما ہوئے اور سرکار ہی کی ہمت باطنی سے شہاب الدین، پتھورا پر غالب آیا۔ خواجہ بزرگ نے ۶۳۳ھ میں وصال فرمایا۔ مزار مبارک اجمیر میں ہی۔

ہمارے نزدیک اِس اختصار کی صرف دو وجہیں ہوسکتی ہیں یا یہ کہ مصنف موصوف کے خیال میں دوسری روایات محقق نہیں تھیں یا محض اختصار مد نظر تھا لیکن اگر اختصار ملحوظ ہوتا تو حضرت قاضی حمید الدین اور حضرت صوفی حمید الدین وغیرہما کے حالات میں بھی یہی صورت اختیار کی جاتی۔ بہرحال یہ یقینی امر ہی کہ صاحب اخبار الاخیار نے سلطان الہند غریب نواز کے واقعاتِ حیات اِس انداز سے قلمبند فرمائے ہیں کہ ہم اپنے خیال کے مطابق اس پر تنقید کرنے سے قاصر ہیں۔ لیکن اگر وسعت نظری سے کام لیا جائے اور اخبار الاخیار کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو کچھ متضاد اقوال اِس کتاب میں بھی نظر آئینگے۔ ہمیں حیرت ہے کہ احادیث نبوی کے اِس نقاد اور مُبصّر کے قلم سے یہ لغزشیں کیسے ہوئیں۔ غرضکہ

یہ اک بسیط مبحث ہی اور ہم قلت وقت کی وجہ سے اسپر تفصیلی گفتگو کرنے سے قاصر ہیں اسلیئے فی الحال ایک دو مثال پر اکتفا کی جاتی ہے۔

تنقید مصنف مرحوم کا قول ہی کہ ربیع الاول ۶۳۳ھ اور رجب ۶۳۳ھ میں حضرت قطب الاقطاب اور حضرت سلطان الہند نے علیٰ ترتیب لف و نشر مرتب وصال فرمایا۔ لیکن اسکے باوجود خود مصنف موصوف ہی کا بیان ہے کہ حضرت قطب الاقطاب کی خدمت میں حاضر ہو کر کسی شخص نے عرض کیا کہ جب آپ اجمیر سے روانہ ہوئے اس کے بیس روز بعد حضرت خواجہ بزرگ نے بارگاہ الٰہی سے هٰذَا حَبِيْبُ اللهِ مَاتَ فِیْ حُبِّ الله کی امتیازی اور خصوصی سند حاصل فرمائی۔ پس اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ حضرت قطب الاقطاب، حضرت خواجہ بزرگ کی رحلت کے وقت دنیا میں تشریف رکھتے تھے اور یہی بات محقق بھی ہی۔ ہماری نگاہ سے کچھ قلمی نسخے گزرے ہم نے مطبوعہ اخبار الاخیار اور ترجمہ اخبار الاخیار کا مطالعہ کیا لیکن کسی جگہہ ۶۳۳ھ کے بجائے کوئی دوسرا سن مرقوم نہیں ہی ایسی حالت میں اس غلطی کی نسبت کاتب کی جانب کرنا ہمارے نزدیک فن کتابت پر ظلم کرنے کا مترادف ہی۔ اس میں شک نہیں کہ کاتب غلطیاں ضرور کرتے ہیں لیکن سنہ ثلث و ثلثین و ستمائۃ اور ۶۳۳ میں تحریف کسی طرح تسلیم نہیں کیجا سکتی ورنہ دنیا کا کوئی مصنف غلط بیان نہیں ہی بلکہ تمام الزامات بیچارے کتاب اور کاپی نویسوں پر عائد ہونگے۔

دوسری جگہہ کتاب اخبار الاخیار میں مصنف مرحوم رقمطراز ہیں کہ خواجہ احمد ابن شیخ ابو یزید بن شیخ نجم الدین بن شیخ قیام الدین حضرت محبوب الٰہی سے رشتہ محبت داخلاص رکھتے تھے اور اُنکے بھائی خواجہ وحید حضرت بابا صاحب سے بعیت ہوے ہیں اور نسخہ شریفہ فوائد الفواد کا حوالہ پیش کیا ہے۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ نفس روایت کتاب مذکور میں موجود ہے لیکن جو شجرہ نسب صاحب اخبار الاخیار نے بیان فرمایا ہے اُس حساب سے یہ واقعہ کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا حالانکہ واقعہ کی صحت کے لئے صرف کتاب فوائد الفواد شریف کا نام نامی کافی تھا شیخ قیام الدین خواجہ وحید کے جدّ اعلیٰ کا شجرہ نسب کتاب معین الاولیا نیز اور کتابوں میں اس طرح درج ہے۔ خواجہ قیام الدین ابن خواجہ حسام الدین ابن خواجہ فخر الدین ابن خواجۂ خواجگان سلطان الہند غریب نواز۔ گویا اِس حساب سے خواجہ وحید کا اسم گرامی سلسلہ کی ساتویں کڑی ہے اب یوں سمجھنا چاہئے کہ خود صاحب اخبار الاخیار کا بیان ہے کہ ۶۶۴ھ میں یعنی وصال خواجہ بزرگ رضی کے اکتیس سال بعد حضرت فرید العصر فرید الدہر شیخ المشائخ شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر رض نے رحلت فرمائی اور حضرت خواجہ فخر الدین بن خواجہ خواجگان خواجہ بزرگ کے سن وصال کی نسبت یہ تحریر فرماتے ہیں کہ اپنے والد ماجد کی رحلت کے بیس سال بعد وصال فرمایا اس حساب سے حضرت فرید الدہر کی رحلت سے گیارہ سال قبل انتقال فرمایا۔ اب چونکہ مصنّف مرحوم ہی کا بیان ہے کہ خواجۂ بزرگ نے کبرسنی میں عقد فرمایا، ملک خطاب حاکم قلعہ

جو مرید خواجہ بزرگ تھے انھوں نے راجگان دار حرب میں سے کسی راجہ کی دختر نیک اختر اسیر کر کے حضور میں پیش کی اور سرکار نے اُن سے عقد فرمایا اس بیان سے معلوم ہوتا ہی کہ حکومت اسلامیہ کے عہد میں یہ عقد ہوا ورنہ ایک خدا پرست کا حاکم قلعہ ہونا قطعاً غلط ہی۔ اب دیکھنا یہ ہی کہ دولت اسلامیہ کا دَور کس سن سے شروع ہوتا ہی۔ اگرچہ صاحب اخبار الاخیار اس مسئلہ میں خاموش ہیں لیکن دنیا کی تمام تاریخیں متفق اللفظ ہیں کہ ۵۸۸ھ سے پہلے شہاب الدین غوری دہلی کا مالک ہرگز نہیں ہوا پس اب تامل اس میں ہی کہ ۶۶۴ھ تک یعنی چوراسی سال میں چھ پشتیں کیسے ہو گئیں فاعتبروا یا اولی الالباب ان ھذا لشیٔ عجاب۔
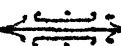
اس مقام پر صاحب معین الاولیا دیوان امام الدین علیخاں صاحب مرحوم کو اس غلطی کا احساس ہوا اب اُن کا بیان بھی شنیدنی ہی مصنف معین الاولیا رقمطراز ہیں کہ خواجہ احمد و خواجہ وحید دونوں خواجہ ضیاء الدین ابو سعید ابن خواجہ خواجگان خواجہ بزرگ کے صاحبزادے ہیں اور فوائد الفواد شریف میں انھی بزرگوں کا تذکرہ ہے حالانکہ ہمارے مطالعہ میں اس وقت جس قدر کتابیں ہیں وہ تمام اس باب میں بالکل خاموش ہیں جواہر فریدی میں اگر کوئی صراحت ہی تو یہ ہی کہ خواجہ ابو سعید زمانہ کم سنی میں رحلت فرما گئے۔ خزینۃ الاصفیا کا بیان ہی کہ خواجہ ضیاء الدین ابو سعید کے دو صاحبزادگان ہوئے لیکن اسما کی صراحت نہیں کی گئی۔ چونکہ کتاب جواہر فریدی

خزینۃ الاصفیا سے کامل ڈھائی سو سال پہلے کی لکھی ہوئی ہے اور علاوہ ازیں اس کا ماخذ زیادہ تر آبائی روایات ہیں جن کا سلسلۂ اسناد حضرت شیخ الاسلام بابا صاحب پر تمام ہوتا ہے اس اعتبار سے جواہر فریدی کی روایت صحیح تسلیم کی جا سکتی ہے اور یہ کتاب اقتباس الانوار جسے خزینۃ الاصفیا سے باعتبار زمانہ تقدم حاصل ہے خواجہ ضیاء الدین کے وجود ہی کے قائل نہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ صاحب معین الاولیا نے اخبار الاخیار کی روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے شیخ ابو یزید کے دو صاحبزادگان خواجہ احمد و خواجہ وحید بتائے ہیں حالانکہ اخبار الاخیار کا ماخذ فوائد الفواد شریف ہے ایسی حالت میں صاحب معین الاولیاء کا یہ طریقہ غلط ہے اگر صاحب معین الاولیا اس معاملہ میں خاموشی اور سکوت اختیار فرما لیتے تو دنیا میں شاید ہی کوئی بدبخت ایسا ہوتا جو سرکار محبوب الٰہی کی فرمودہ روایت پر تاریخی شہادت یا ضمانت طلب کرتا۔ اسکے علاوہ خاندان مصنف کو جب ان دونوں آفتاب و ماہتاب سے تعلق نہیں ہے ایسی حالت میں اپنی تاریخ دانی کا ثبوت پیش کرنا یقیناً بلا ضرورت اور بے سود ہے۔ محبوب الٰہی کا فرمان سر آنکھوں پر اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔
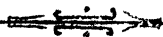
سیر الاقطاب یہ کتاب مولانا الہدیہ نے عہد شاہجہانی میں تصنیف کی ہے غریب نواز کے حالات زندگی کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

صفاہان میں پیدائش ہوئی۔ خراسان میں پرورش پائی۔ پندرھویں سال یتیم ہوئے

اِسی سال میں ابراہیم قندوزی سے ملاقات ہوئی۔ مال و متاع فقرا پر تقسیم کر دیا طلب علم کا ذوق پیدا ہوا۔ خراسان کی جانب توجہ فرمائی۔ قرآن پاک حفظ کیا تحصیل علوم فرمائی۔ اب سمرقند پھر عراق کی جانب رخ فرمایا۔ وہاں سے عرب کی سمت روانہ ہوئے۔ اسکے بعد ہاروں میں تشریف لائے۔ بغداد پہنچکر خواجہ عثمان ہارونی کی خدمت و حضوری سے شرف اندوزی فرمائی۔ کامل بیس۲۰ سال تک سفر و حضر میں پیر و مرشد کا دامانِ کرم نہیں چھوڑا۔ باون۵۲ سال کی عمر میں رخصت حاصل فرمائی دو مرتبہ حضرت غوث پاک سے ملاقی ہوئے پہلی ملاقات ابتدائی زمانہ میں ہوئی اور دوسری اس وقت جب سرکار والا تبار جیلان میں تشریف لائے۔ رشتہ میں حضرت خواجہ بزرگ حضرت غوث پاک کے ماموں تھے۔ چالیس ہمراہیان کی معیت میں ہندوستان میں قدم رنجہ فرمایا۔ اِس زمانہ میں رائے پتھورا والی ہندوستان تھا۔ حضرت میران سید حسین خنگ سوار جام شہادت سے سیراب ہو چکے تھے۔ ابھی حضور پُر نور کو اجمیر پہنچکر کچھ زیادہ عرصہ نہوا تھا کہ شہاب الدین غوری معزالدین سام نے ہندوستان پر کامیاب حملہ کیا اور رائے پتھورا گرفتار ہوا۔ ۵۸۶ھ میں دہلی اسلامی پایہ تخت ہوا۔ چار پانچ سال دہلی میں قیام کر کے سلطانِ موصوف واپس ہو گئے۔

عہدِ التمشی میں حضور اقدس نے دو بار دہلی کا سفر فرمایا۔ پہلی مرتبہ جاکر جب واپسی ہوئی

تو آپ نے حاکم قلعہ سید وجیہ الدین مشہدی کی صاحبزادی صاحبہ سے بحکم نبوی عقد فرمایا۔ اور اس نکاح کے بعد حاکم قلعہ ملک خطاب نے کسی راجہ کی دختر نیک اختر اسیر کر کے پیش کی اور آپ نے اُن سے دوسرا عقد فرمایا۔ متاہل ہونے کے سات سال بعد سفر آخرت فرمایا اس حساب سے سن مبارک ستانوے ۹۷ سال کا ہوتا ہے بعض کا قول ہے کہ سترہ سال بعد وصال فرمایا۔ یعنی (۱۰۷) ایکسو سات کا سن ہوتا ہے سلطان الہند کی اولاد پاک نہاد میں تین شہزادگان اور ایک صاحبزادی تولد ہوئیں۔ ۶۳۳ھ میں وصال فرمایا۔

تنقید یہ اک حقیقت ہے کہ سیر الاقطاب کی غلط بیانی کے عنوان پر ایک بسیط رسالہ لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن ہمیں اس سے سروکار نہیں۔ ہمارا مقصد صرف حیات خواجۂ بزرگ کے متعلق متضاد بیانات کا راز فاش کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ تذکرہ نویسوں کے ایک بیان کی تردید اُنہی کے دوسرے قول سے ہوتی ہے۔ ہم صاحب سیر الاقطاب کے اس طرزِ عمل کی داد دیتے ہیں کہ اُنھوں نے کسی واقعہ کا سنہ ہی نہیں بتایا بلکہ ایک افسانہ کے طریقہ پر خواجہ بزرگ کی مبارک زندگی کے حالات و واقعات بیان کر دیئے، کاش کہ سنہ وصال خواجۂ بزرگ اور سنہ فتحمندی شہاب الدین غوری بھی اُن کے قلم سے نہ نکلتا تو آج ہم اُن کی متضاد بیانی کے اظہار سے قاصر ہوتے اور واقعات کا بھرم پردۂ ابہام ہی میں رہتا۔ لیکن غالباً اور غلط بیانوں میں سے یہ بھی ایک غلطی ہو گئی۔

کس ندانست کہ منزل گہ مقصود کجاست
این قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

مصنف مرحوم کا بیان ہی کہ ۶۳۳ھ میں (۹۷) یا (۱۰۷) برس کے بعد نائب النبیؐ نے اپنے آخری اور حقیقی نشیمن کی جانب رحلت فرمائی پس اگر ۹۷ سال جو قول اول بمنزلہ صحیح ہی ۶۳۳ ہجری سے کم کر دیے جائیں تو سنہ ولادت معلوم ہوجائیگا۔ لہذا ۵۳۶ھ مصنف مرحوم کے بیان سے سن ولادت قرار پاتا ہی اب خود صاحب سیر الاقطاب تحریر کرتے ہیں کہ سلطان الہند پیر و مرشد سے باون سال کی عمر میں مرخص ہوئے پس اگر ۵۳۶ھ میں (۵۲) جمع کر دیے جائیں تو ۵۸۸ھ ہوتے ہیں گویا ۵۸۸ھ ہجری سن رخصت ہوا اب اگر سفر و قیام کا زمانہ بھی اس میں محسوب نکیا جاے تو حضور اقدس مصنف کے اس قول کے مطابق عہد پتھورا میں اجمیر تشریف نہیں لا سکتے۔ کیونکہ مصنف ہی کا بیان ہی کہ ۵۸۶ھ میں سلطان معزالدین سام نے تخت دہلی پر جلوس کیا حالانکہ مصنف ہی کا دعوی ہی کہ حضور اقدس راے پتھورا کے زمانہ سلطنت میں وارد اجمیر ہوئے۔

ہمیں اس کا اعتراف ہی کہ اگر صاحب سیر الاقطاب اس افسانہ نویسی کی حالت ہی میں بزرگان ملت کے صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے اپنے عزیز لمحات کا حصہ وقف فرما دیتے تو آج یہ صورت حال کبھی پیش نہ آتی۔ کیونکہ جہاں بھی مصنف مرحوم نے ذرا تحقیق فرمائی ہی تو حقیقت بے نقاب ہوگئی ہی۔ جیسے سالار مسعود غازی

کے متعلق بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ صاحبِ موصوف کو حضرت غریب نواز سے
خلافت و اجازت حاصل تھی۔ صاحب سیر الاقطاب نے اِس مسئلہ پر مورخانہ گفتگو
کر کے صحیح نتیجہ نکالا ہے۔ کاش کہ یہ لوگ ہر مقالہ میں اسی طرح توجہ فرماتے تو آج ہرگز یہ
ماتم نہ ہوتا۔ نہ معلوم اِس طرح کے تذکرے لکھنے سے ان کا مقصد اصلی کیا تھا۔

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ اِنھیں کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہیں
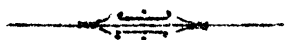
اقتباس الانوار

یہ کتاب مولانا شیخ اکرم مرحوم کی تصنیف ہے۔ اس میں پیغمبر علیہ السلام ائمہ عظام اولیائے کرام کے اسوہ حسنہ کا ذکر
کیا گیا ہے اور ان کی رودادِ حیات بیان کی گئی ہے۔ حضرت خواجہ غریب نواز کے
حالات کا خلاصہ یہ ہے۔

سن ولادت ۵۳۷ھ سن وصال ۶۳۲ھ ہے ہنگام رحلت عمر شریف ۹۷ یا ۱۰۷
سال کی تھی پندرہویں سال سایۂ پدری سر سے اُٹھ گیا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب
ابراہیم قندوزی سے ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کے دو تین روز بعد اپنا مال و متاع
فروخت کر کے خواجۂ بزرگ نے تحصیل علوم کے لئے سفر فرمایا ایک مدّت تک سمرقند
و بخارا آپ کا مستقر رہا۔ قرآن پاک حفظ کیا۔ علوم ظاہری کی تحصیل فرمائی۔ بعد
ازاں قصبہ ہارون کی جانب توجہ فرمائی خواجۂ عثمان ہارونی سے استفادہ کیا۔

ڈہائی سال پیر مرشد کی خدمت میں تربیت پائی۔
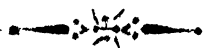
پیر و مرشد کے ہمراہ رکاب زیارت حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً سے شرف اندوز ہوئے اور سیر کرتے ہوئے بدخشان پہنچے۔ بخارا تشریف لائے غرضکہ دس سال پیر و مرشد کی معیت میں گزر گئے۔ اب بغداد میں نزول اجلال فرمایا بعدہٗ پھر پیر و مرشد کے ہمراہ سفر فرمایا اور کامل دس سال سفر فرمایا یہاں تک کہ پورے بیس[۲۰] سال ہوگئے۔
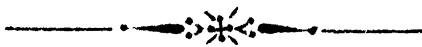
الغرض جب خواجہ بزرگ نے پیر و مرشد سے خلافت و اجازت حاصل فرمائی اُس وقت سن مبارک باون[۵۲] یا چالیس[۴۰] سال کا تھا۔ رخصت حاصل کر کے قصبہ سنجر واپس آئے اور شیخ نجم الدین کبریٰ کی صحبت میں ڈہائی ماہ مقیم رہے اب قصبہ جیل میں نہضت افروز ہوئے اور پانچ ماہ سات روز حضرت غوث پاک کی صحبت اختیار فرمائی۔
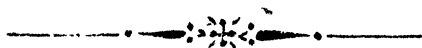
جب سید کائنات علیہ التحیۃ و التسلیمات کے حسب اجازت حضرت غوثیت مآب سے خرقۂ خلافت حاصل فرمایا اسوقت خواجہ بزرگ کی عمر مبارک پچاس[۵۰] سال کی اور حضرت غوثیت مآب کی عمر شریف نوّے[۹۰] سال کی تھی غرض ملاقات حضرت غوثیت کتب معتبرہ اور رواۃ ثقات کی روایات سے ثابت ہے اور اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں
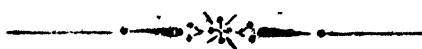
غوث پاک سے رخصت حاصل فرما کر بغداد تشریف لائے ایک مدت شیخ ضیاء الدین ابو النجیب سے ہم صحبت رہے۔ پھر ہمدان، پھر تبریز، بعدہ خرقان میں رخت سفر کھولا اور تقریباً دو سال اسی نواح میں صرف ہو گئے۔ اب استرآباد کی جانب عنان عزیمت پھیری ہرات میں ایک مدت اقامت گزینی فرمائی اس کے بعد سبزوار، پھر حصار، پھر بلخ میں کچھ مہینہ قیام فرما رہے۔ اب غزنی کا ارادہ فرمایا وہاں سے لاہور میں چند روز قیام کرتے ہوئے دہلی میں تشریف ارزانی فرمائی۔ اسوقت دہلی رائے پتھورا کی دار السلطنت تھی۔ دہلی سے اجمیر شریف میں قدم رنجہ فرمایا۔ اسی زمانہ میں سلطان معزالدین سام پتھورا پر غالب آئے اور اُسے زندہ گرفتار کر لیا۔

سلطان معزالدین سام ظفریابی کے بعد کچھ روز تک دہلی میں رہا اور قطب الدین ایبک کو اپنا نائب مقرر کر کے واپس ہو گیا چنانچہ ۵۸۹ھ میں دہلی اسلامی پایۂ تخت ہوا
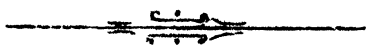
خواجہ بزرگ نے دو نکاح فرمائے۔ حاکم قلعہ ملک خطاب نے راجگان دار حرب میں سے کسی راجہ کی دختر نیک اختر اسیر کر کے خدمت اقدس میں پیش کی اور سرکار والا تبار نے بحکم رسالت سنت نبوی کے مطابق اُن سے نکاح فرمایا اس واقعہ کے چند روز بعد حضرت سید وجیہ الدین کو بشارت ہوئی اور خواجہ بزرگ نے بتعمیل

ارشاد رسالت کے لئے اُن کی دختر نیک اختر سے نکاح فرمایا پہلی زوجہ محترمہ سے ایک صاحبزادی حافظہ جمال اور دوسری زوجہ مطہرہ سے دو شہزادگان خواجہ فخر الدین اور خواجہ حسام الدین تولد ہوئے ۔

حضرت خواجہ فخر الدین نے ستر سال کی عمر میں وصال خواجہ بزرگ کے بیس سال بعد رحلت فرمائی ۔

تنقید | اصلی کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ روایات میں کس قدر بے ترتیبی ہے ہمنے کتاب کی روایات بجنسہ نقل کی ہیں البتہ ترتیب و تسلسل کا بھی لحاظ رکھا ہے ۔

مصنف مرحوم نے باوجودیکہ سن ولادت اور سن وصال تحریر کر دیا تھا پھر بھی سن شریف کے متعلق مختلف اقوال نقل کئے ہیں حالانکہ یہ غلط طریقہ ہے پھر سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ عمر کے متعلق وہ دونوں قول جو نقل کئے ہیں مصنف ہی کے حساب سے صحیح نہیں ہیں اسلئے کہ اگر ۵۳۷ھ میں پیدائش اور ۶۳۲ھ میں وصال ہو تو اس حساب سے عمر ۹۵ سال کی ہوتی ہے پس ۹۷ یا ۱۰۰ سال کی عمر مبارک ہونا مصنف ہی کے خیال سے بالکل غیر صحیح ہے ۔

عباراتنا شتّی وحسنک واحد

صاحب تذکرہ نے ایک مقام پر تو یہ تحریر کیا ہے کہ ڈہائی سال خدمت پیرو

مرشد میں صرف ہوئے اور دوسری جگہ کتاب انیس الارواح کی روایت نقل کی ہے جس کا یہ مطلب ہی کہ حضرت غریب نواز بیس سال خدمت پیر و مرشد میں رہے یہ ایک ایسی غلطی ہے جس میں کبھی کوئی مورخ مبتلا نہیں ہو سکتا بلکہ وہ دونوں روایتوں میں ایک روایت محقق کر دیتا اور اُس کے وجوہ صحت اور روایت ثانیہ کے اسباب عدم صحت بیان کرتا یا اگر دونوں روایات کو ذکر کرتا تو ایک روایت کو دوسری روایت پر ضرور ترجیح دیتا۔

خواجہ بزرگ نے پیر و مرشد سے خلافت و رخصت اُسوقت حاصل فرمائی جبکہ آپ کا سن مبارک باون سال کا تھا یا چالیس سال کا مصنف مرحوم نے خواجہ بزرگ کا سن ولادت ۵۳۷ھ لکھا ہے اور حضرت غوثیت مآب کا سن وصال ۵۶۱ھ بتایا ہے جو عام طور سے محقق و ثابت ہی اِس حساب سے حضرت غوث اعظم کا ۵۶۱ھ میں بقید حیات رہنا مصنف ہی کے قول سے غلط ہے اور مصنف ہی کے قول سے ثابت ہے کہ ۵۸۱ھ میں حضرت خواجہ بزرگ نے حضرت غوث پاک سی ملاقات فرمائی۔ پھر آخر یہ ملاقات کیسی تھی "گوش سخن شنو کجا دیدۂ اعتبار کو"

حضرت خواجہ بزرگ جب حضرت غوث پاک سے رخصت ہوئے اسوقت سرکار والا تبار کا سن مبارک پچاس سال کا تھا اور حضرت غوث اعظم کی عمر شریف نوے

سال کی تھی۔ حالانکہ مصنف مرحوم نے سرکار والا تبار کا سن ولادت ۵۳۷ھ اور
حضرت غوث اعظم کا سن پیدائش ۴۷۰ھ یا ۴۹۱ھ بتایا ہے اس حساب سے خواجہ
بزرگ ۵۸۷ھ میں پنجاہ سالہ بزرگ ہوتے ہیں اور حضرت غوث پاک روایت
اولیٰ کے مطابق جو عام طور پر صحیح تسلیم کی گئی ہے ۵۶۰ھ میں شیخ نود سالہ ہوتے
ہیں اور دوسری روایت کے مطابق ۵۸۱ھ میں حضرت غوث پاک کو اس دار
فانی میں قیام فرمانا چاہیے۔ حالانکہ خود مصنف اور نیز تمام مورخین کا قول یہ ہے
کہ ۵۶۱ھ میں حضرت غوث اعظم اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ پس سن اولیٰ
کی صحت کا اقرار لازمی ہے اب اس صورت میں مصنف ہی کے قول سے ۵۸۷ھ
یا ۵۶۰ھ سن ملاقات قرار پاتا ہے واذا تعارضا تساقطا۔

اس کے علاوہ اگر خواجہ بزرگ کی عمر مبارک بقول مصنف ہنگام رخصت باون
سال کی تسلیم کی جائے تو ملاقات حضرت غوثیت مآب کے وقت پچاس سال کی
عمر ہونا اک عجیب معمہ ہے۔ پھر اس پر یہ ہنگامہ آرائی کہ اثبات ملاقات میں کتب معتبرہ اور
رواۃ ثقات کی شہادت اک طمطراق عظیم کے ساتھ پیش کی جاتی ہے۔

برفت عقل زحیرت کہ این چہ بوالعجبی ست

سلطان الہند اجمیر میں اُسوقت رونق افروز ہوئے جبکہ دہلی رائے پتھورا کی تختگاہ
تھی لیکن اگر مصنف کا یہ قول صحیح تسلیم کرلیا جائے کہ ہنگام حصول خلافت و رخصت

قطب مدار غوث العالم سرکار روالاتبار کا سن مبارک باون سال کا تھا جیسا کہ تمام تذکرہ نویسوں اور سوانح نگاروں کا بیان ہے تو اس حساب سے آپ کو ۵۸۹ھ میں پیر و مرشد سے رخصت حاصل ہوئی اب کچھ سال سفر میں صرف ہوے ہونگے۔ چنانچہ خود صاحب اقتباس الانوار کا بیان ہے کہ خرقان میں دو سال قیام فرمایا اس لئے ہم صرف یہی دو سال اور محسوب کرتے ہیں پس سنہ ورود دہلی ۵۹۱ھ ہوتا ہے اور اس سن میں خود مصنف ہی کے قول سے یہہ ثابت ہوتا ہے کہ حکومت اسلامیہ کا تسلط ہوچکا تھا۔ کیونکہ صاحب اقتباس الانوار کا بیان ہے کہ ۵۸۹ھ میں دہلی اسلامی تختگاہ ہوئی۔
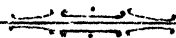
خواجہ فخر الدین نے ستر سال کی عمر میں وصالِ خواجۂ بزرگ کے بیس سال بعد انتقال فرمایا باوجودیکہ خواجۂ بزرگ کا وصال مصنف ہی کے قول سے ۶۳۲ھ میں ہوا۔ پس اگر اس میں بیس سال اور زیادہ کر دیے جائیں تو ۶۵۲ھ ہجری ہوتے ہیں اور اس وقت خواجہ فخر الدین ابن خواجۂ بزرگ کا سن انتقال یہی سنہ قرار پائیگا اب چونکہ عمر ستر سال کی بتائی گئی ہے لہذا ۶۵۲ھ سے ستر کم کر دیے جائیں تاکہ سن ولادت معلوم ہوجاے تو ۵۸۲ھ ہوتے ہیں۔ حالانکہ مصنف ہی کے بیانات اس کی تردید کرتے ہیں۔ اگر باون ۵۲ سال کی عمر میں خواجۂ بزرگ پیر و مرشد سے رخصت ہوئے تو ۵۸۲ھ میں خواجہ بزرگ کا قیام اجمیر میں ثابت

ہوتا۔ نیز مصنف مرحوم کا بیان ہے کہ راجہ کی دختر فرخندہ فال سے پہلا عقد ہوا بعد ازاں حضرت خواجہ فخرالدین کی والدہ محترمہ نکاح میں آئیں، راجہ کی دختر بلند اقبال حاکم قلعہ ملک خطاب نے پیش کی تھی جو خواجہ بزرگ کے مرید مخلص تھے۔ گویا یہ اسلامی حکومت کا دور تھا ورنہ حاکم قلعہ خدا پرست کیسے ہوسکتے تھے اور ۵۸۲ھ میں کسی طرح دولت اسلامیہ کا تسلط اجمیر میں نہیں تھا چنانچہ خود صاحب اقتباس الانوار کا بیان اس کا شاہد ہے۔
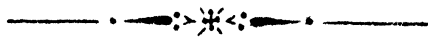
ہم نے صرف اپنے خداوند نعمت کے حالات زندگی پر ناقدانہ تبصرہ کیا ہے ورنہ شروع سے آخر تک پوری کتاب پہیلی نامہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ لیکن سوچنا یہ ہے کہ آخر اس متضاد بیانی کا سبب کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مصنف مرحوم نے مختلف تذکروں سے مختلف روایات نقل کردی ہیں اور درایت سے کبھی توجہ نہیں فرمائی لیکن ہاں جہاں ذرا تحقیق کی ہے تو صحیح نتیجہ نکالا ہے جیسے سیرالاقطاب کی اس روایت کو بلحاظ روایت خبر احاد سے تعبیر کرکے ضعیف و غلط بتایا ہے کہ حضرت غریب نواز حضرت غوث اعظم کے ماموں تھے۔ دوسرے یہ ثابت کیا ہے کہ ۶۳۳ھ میں خواجہ بزرگ کا وصال ہونا قول غلط ہے۔
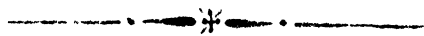
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر یہ لوگ درایت سے توجہ فرماتے تو کبھی ایسی

فاش غلطیاں معرضِ ظہور میں نہیں آتیں اور غریب نواز سلطان الہند کی رودادِ حیات ایک اَن بوجھ پہیلی نہ ہوجاتی۔ لیکن خدا جانے اِن بزرگوں نے کس واسطے اس سے پہلوتہی کی اور نہ معلوم ایسی بے سروپا روایات نقل کرنے سے ان کا مقصد اصلی کیا تھا ہمارے خیال میں صرف جوشِ عقیدت کی ترجمانی کے لئے یہ تذکرے عالم تحریر میں لائے گئے اور انھیں اس سے کچھ سروکار نہ تھا کہ غریب نواز کی مبارک زندگی کے صحیح واقعات کیا ہیں آنھیں اسکا مطلق خیال نہ تھا کہ ایسی صراحت سے حالات و واقعات میں اور زیادہ گنجلک ہوجاتی ہے ورنہ کیا معنے کہ اُنکی تصنیف اس طرح اک عقدہ مالاینحل ہوجاتی اُن کا مطمح نظر صرف یہ تھا۔

آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تحریر کا
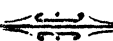
معین الاولیا

اس کتاب کی علت فاعلی دیوان امام الدین علی خاں صاحب ہیں اور علت غائی اپنے خاندان کو فرزندان نائب النبی سے ثابت کرنا ہے ہمیں فی الحال اس کی صحت و عدم صحت سے کوئی بحث نہیں اسلئے کہ یہ بجائے خود ایک طویل مبحث ہے لیکن چونکہ مختلف تذکروں سے جستہ جستہ عبارات نقل کی گئی ہیں اسلئے اسی ضمن میں سرکار اقدس کی رودادِ حیات بھی درج ہوگئی ہے۔ اور آغاز کتاب میں خود مصنف نے کچھ صفحات میں غریب نواز

عطائے رسول کے حالات تحریر فرمائے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس کتاب کی تحریر سے مقصد اصلی صرف اثبات مدعا ہے اب چونکہ انہی تذکروں سے استناد کیا گیا ہے اسلئے مصنف نے ان پر تنقیدی نظر سے غور نہیں کیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خود قدامت پرست مصنف اس راز سے واقف نہوئے ہوں باہرحال دونوں صورتوں میں صاحب معین الاولیا اس الزام سے سبکدوش اور بری نہیں ہوسکتے جو دوسرے تذکرہ نویسوں پر عائد ہوتا ہے اسکے علاوہ کتاب معین الاولیا تو ایک ایسا طلسم فریب ہی جس میں کارگاہِ تحریف کی عجیب وغریب صنعتوں کی نمایش کی گئی ہے۔ فی الوقت اسی خاص نقطۂ نگاہ سے مطالعہ کرتے ہوئے ہم اس کتاب کو بھی اپنے فیضان تنقید سے تشنہ کام نہیں چھوڑنا چاہتے اور اختصاراً ایک دو مثال پیش کرکے اپنا فرض منصبی ادا کرتے ہیں خدانے چاہا تو جب اور کتابوں پر تنقیدی روشنی ڈالی جائیگی اُسوقت اس کتاب کو بھی تاریکی میں نہ رہنے دیا جائیگا۔ ع۔ ہر سخن موقعہ و ہر نکتہ مقامے دارد۔

تنقید مقدمۂ کتاب میں خود مصنف مرحوم نے وجہ تالیف یہ ظاہر کی ہے کہ دوستوں کے تقاضہ نے مجبور کردیا کہ نائب النبی عطائے رسول کے حالات ومقالات کا ذکر کیا جائے چنانچہ یہ کتاب لکھی گئی۔ حالانکہ صرف سات ورق میں حضرت سلطان الہند کے حالات قلمبند فرماکر اثبات مدعا کی جانب رجوع کیا ہے۔ لم تقولون ما لا تفعلون، پھر تماشہ یہ کہ سوائے سن وصال کے کوئی

سَن تحریر نہیں فرمایا جس سے روایات کی صحت و عدم صحت کا پتہ چلتا۔
خدا معلوم اس بدعت کا سنگ بنیاد کس کے ہاتھوں سے رکھا گیا ہے یہ ایک ایسا طرز تحریر ہے کہ واقعہ کا صدق و کذب تذبذب اور کشمکش ہی کی حالت میں رہ جاتا ہے اور حقیقت اصلی کسی طرح نہیں معلوم ہوتی۔
صاحب معین الاولیا کا بیان ہے کہ عطائے رسول تیسری بار زیارت حرمین شریفین سے سعادت اندوزی فرما کے تشریف لائے تو علی الاتصال چالیس سال اجمیر شریف میں قیام فرمایا۔
ہماری نگاہ سے اسوقت تک جس قدر کتابیں گزری ہیں کسی ایک کتاب میں یہ روایت مرقوم نہیں ہے کہ خواجہ بزرگ نے اجمیر شریف نزول اجلال فرمانے کے بعد عرب کا سفر فرمایا۔ اگر بالفرض مصنف کا یہ مقصد نہیں ہے تو چالیس سال اجمیر شریف میں قیام فرمانے کے یہ معنی ہوئے کہ غریب نواز قطب الدین ایبک کے زمانہ حکومت میں اجمیر تشریف لائے اسلئے کہ سنہ ۶۳۳ھ میں سے قیام اجمیر کے چالیس سال اگر کم کر دیے جائیں تو سَن ورود اجمیر سنہ ۵۹۳ھ ہوتے ہیں اور اس سَن میں حکومت اسلامیہ قطعاً قائم ہو چکی تھی مگر مصنف ہی کا بیان ہے کہ عہد پتھورا میں تشریف آوری ہوئی لہذا دونوں اقوال میں سے ایک قول یقیناً مہمل ہے۔

"صفحہ ۱۶ میں ارشاد ہوتا ہے"

بسا اوقات بر تعدی و تعب فرزندان	چونکہ خواجہ بزرگ کے ضمیر منیر پر مستقبل

دلبند کہ سوانح آیندہ مکشوف ضمیر منیر بود تحسّر و تاسف می فرمودند۔ الخ

کے تمام سوانح اور واقعات روشن تھے اسلئے اکثر اوقات اپنی اولاد پاک نہاد کی مظلومی پر اظہار افسوس و رنج فرماتے تھے

معلوم یہ کیفیات قلبی سے ہے یا مصنف مرحوم کو الہام ہوا تھا یا خدا جانے کیا ہے اس لئے کہ تمام تذکرے ابھی دنیا میں موجود ہیں آخر کس کتاب سے یہ روایت نقل کی گئی ہے یا صرف لوگوں پر اثر قائم کرنے کے لئے جناب آثر (مصنف مرحوم) نے یہ شاعری فرمائی ہے۔
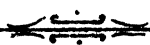
صفحہ ۲۶ سے منقولات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے سب سے پہلے فوائد الفواد شریف پھر سیر الاولیا کی عبارت نقل فرمائی ہے۔ دونوں کتابیں اس کی شہادت دیتی ہیں کہ خواجہ احمد و خواجہ وحید قدس سرہما کو حضور اقدس و اعلیٰ سے تعلق نسبی حاصل ہے۔ صاحب معین الاولیا کے ایک بیان سے یہ دونوں خواجگان برادران حقیقی معلوم ہوتے ہیں۔ اسلئے کہ کتاب معین الاولیا میں تحریر ہے۔

خواجہ ضیاء الدین ابو سعید دو پسر داشت خواجہ احمد و خواجہ وحید کہ ذکر ایشاں در نسخہ فوائد الفواد مذکور است امّا بیش ازین معلوم نیست۔

خواجہ احمد اور خواجہ وحید دونوں خواجہ ضیاء الدین ابو سعید کے صاحبزادگان ہیں ان کا ذکر نسخہ فوائد الفواد میں مذکور ہے اس سے زیادہ حال معلوم نہیں۔

لیکن صاحب معین الاولیا نے صحیفہ شریفہ فوائد الفواد سے جو عبارت نقل کی ہے اس کا دوسرا مطلب ہے۔ وھو ھذا۔

منقول است از فوائد الفواد کہ بر زبان فیض ترجمان حضرت سلطان المشائخ گزشت پانزدہم محرم سن عشر وسبعمائہ شنیدم از خواجہ احمد نبیرۂ شیخ معین الدین قدس اللہ سرہ العزیز و این خواجہ احمد عظیم صالح بود الخ

فوائد الفواد سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خواجہ احمد خواجہ خواجگان معین الدین قدس سرہٗ کے پوتے سے سنا ہے۔ یہ خواجہ احمد بڑے متقی تھے۔ ۱۵ محرم ۷۱۰ھ

سن عشرین وسبعمائہ پنجم رمضان المبارک الغرض چون چندے بگزشت خواجہ وحید الدین نبیسۂ خواجہ معین الدین سنجری رحمۃ اللہ بخدمت شیخ کبیر آمد و بیعت طلبید، الخ

تھوڑی دیر کے بعد خواجہ معین الدین سنجری رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے خواجہ وحید الدین حضرت پیر و مرشد کی خدمت میں آئے اور مرید ہونا چاہا۔ ۵ رمضان ۷۲۰ھ

اب ہم کتاب مستطاب فوائد الفواد کی اصل عبارت نقل کرتے ہیں تاکہ روایت اولیٰ میں مصنف مرحوم نے جو تحریف و زیادتی فرمائی ہے آشکارا ہو جائے۔

"فوائد الفواد مطبوعہ نولکشور لکھنو"

فرمود شنودہ ام از خواجہ احمد ابن شیخ معین الدین سنجری قدس اللہ سرہٗ العزیز

"ترجمہ فوائد الفواد مطبوعہ مطبع مجتبائی"

حکایت فرمائی کہ میں نے خواجہ احمد ابن شیخ معین الدین سنجری سے سنا۔ یہ خواجہ احمد

واین خواجہ احمد عظیم صالح بود،

بڑے صالح تھے۔

چار شنبہ ۵ محرم سنہ۷۱۲ھ

تحریف ظاہر ہے۔ نسخہ متبرکہ فوائدالفواد کی اس عبارت سے خواجہ وحید و خواجہ احمد برادران حقیقی نہیں ثابت ہوتے رہا یہ سوال کہ وجہ تحریف کیا ہے اسکے متعلق پھر کبھی گفتگو کی جائیگی۔ فی الحال اسی قدر کافی ہے۔

دریں زماں کہ جہانے بباطل اُفتاد است
بیانِ حق بزبانِ گہر فشانِ من است

اس کے بعد کتاب سیر العارفین مصنفہ مولانا شیخ جمالی سے استناد کیا گیا ہی اور یہاں بھی تحریف سے کارفرمائی کی گئی ہے۔
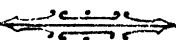
"عبارت معین الاولیا"

از درویش جمالی کہ او از بس محقق و صاحب نسبت از بزرگانِ طریق چشتیہ بود، کما قال فی سیر العارفین نقل است از خواجہ معین الدین چشتی کہ روزے بزبان دُربار فرمودند کہ اولاد معین الدین و حمید الدین یکیست واین قول از پیوند بود

ترجمہ

درویش جمالی سے روایت ہی جو بہت زیادہ محقق اور صاحب نسبت تھے اُن کا شمار بزرگان چشتیہ میں تھا۔ چنانچہ سیر العارفین میں فرماتے ہیں کہ ایک روز خواجہ بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ معین الدین اور حمیدالدین کی اولاد ایک ہی اور یہ قول پیوند سے

وآخر کار نتیجہ قول ایشاں ظاہر شد کہ
باہم یکے شدہ اند چنانچہ امیر شیخ تاج الدین
کبریٰ ابو محمد الحسنی الحسینی سلمہ اللہ تعالیٰ
فی بقائہ نبیرہ اولاد پسر صلبی حضرت
خواجہ معین الدین میشود و نبسیہ دختری
سلطان التارکین برہان المجردین شیخ
حمید الدین احمد صوفی سعیدی عمری
فاروقی یار وغار مرید و خلیفہ بزرگ حضرت
ایشاں بودہ اند۔ سے خواجہ معین الدین
قدس اللہ سرہ العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ
و درمیان حضرت خواجہ و شیخ حمید الدین
خویشی در قدیم است تا معلوم بودہ باشد
وہماں طریق در اولاد ایشاں ہم خویشی
میرود تا معلوم بودہ باشد۔

درآں ایامیکہ این حقیر بدولت زیارت
مرقد پرطارت حضرت معین الحق مشرف
گشت از فرزندان حضرت ایشاں صاحب

قبل تھا پس اس قول کا نتیجہ ظاہر ہوا کہ باہم
ایک ہوگئے۔ جیسا کہ امیر شیخ تاج الدین
کبریٰ ابو محمد حسنی حسینی سلمہ اللہ تعالیٰ حضرت
خواجہ بزرگ کے پوتے ہوتے ہیں اور
سلطان التارکین خواجہ حمید الدین کے نواسے۔

....

....

....

....

....

خواجہ بزرگ اور خواجہ حمید الدین میں رشتہ
داری قدیم سے ہے چنانچہ معلوم ہوجائیگا
اور اسی طرح ان کی اولاد میں اب رشتہ
داری جاری ہے جیسا کہ معلوم ہوگا

جس زمانہ میں یہ حقیر حضرت خواجہ
بزرگ کے مرقد اطہر کی زیارت سے مشرف
ہوا اسوقت آپ کی اولاد سے شیخ المشائخ

سجادہ شیخ المشائخ بایزید ثانی بود رحمۃ
اللہ علیہ و او شیخ کلاں و عظیم الشان بودہ
است سید شمس الدین طاہر کہ صد و پنجاہ
سال عمر داشت خرقہ خلافت از خدمت
شیخ المشائخ بایزید محمد ثانی یافتہ بود مرید
شیخ المشائخ شیخ نور بود کہ در بنگالہ آسودہ
است و خدمت سید شمس رحمۃ اللہ علیہ را
با حضرت ملک المشائخ والاولیا سماء الحق
والدین قدس سرہ اعتقادے بیحد و اتحادے
بیعد بود و بایں احقر محبتی و شفقتے عظیم بود
از ایشاں استماع است کہ حضرت زبدۃ
المشائخ معین الحق والدین را در آخر عمر
تاہل واقع شد و فرزندان متولد شدند
فاما- چوں ایں حقیر بزیارت روضہ
متبرکہ حضرت زبدۃ المشائخ معین الحق
رحمۃ اللہ علیہ واسعۃ رسید ہمراہ و باتفاق
معیت خدمت پیرزادہ برجادہ شیخ المشائخ

شیخ بایزید ثانی صاحب سجادہ تھے
سید شمس الدین طاہر جو ڈیڑھ سو
برس کی عمر رکھتے تھے انہی شیخ بایزید
کے خلیفہ ہیں اور شیخ نور کے مرید ہیں
جو بنگالہ میں آرام فرما ہیں۔ سید
شمس الدین کو حضرت پیر و مرشد
سما الحق والدین کے ساتھ بیحد اعتقاد
تھا۔ اور اس احقر کے ساتھ بھی بیحد
محبت رکھتے تھے۔ اُن سے سُنا ہی
کہ حضرت زبدۃ المشائخ غریب نواز
نے آخر عمر میں شادی فرمائی
اور آپ کے صاحبزادگان تولد
ہوئے۔

لیکن جب یہ فقیر اپنے پیرزادہ اور
سجادہ شیخ نصیر الدین کے ہمراہ
حضرت خواجہ بزرگ کی زیارت
سے مشرف ہوا۔

نصیر الملت والدین رحمۃ اللہ علیہ بکجا زیارت حضرت ایشان بحصول پیوست در آنجا مجاورے بود عظیم القدر مولانا مسعود قریب ہشتاد سال عمر داشت،	تو وہاں ایک عظیم القدر مجاور مولانا مسعود سے ملاقات کی جنکی عمر تقریباً اسی سال کی تھی۔

مصنف مرحوم نے مولانا شیخ جمالی کو جن الفاظ سے یاد کیا ہے حسن عقیدت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے لیکن خلوص اعتقاد کے یہ معنی نہیں ہیں کہ چشتی کو سہروردی اور سہروردی کو چشتی بنا دیا جائے۔ اب حقیقت حال خود مولانا جمالی کی زبانی سنو وہ فرماتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے۔

"جب میں بغداد میں پہنچا تو حضرت غوث الاعظم کے مزار پُرانوار کی زیارت سے ہمیشہ مشرف ہوتا اور اکثر راتیں حضرت امام اعظم کے مقبرے میں گزارتا تھا ایک رات حضرت غوث الاعظم کے صاحب سجادہ شیخ شہاب الدین امام اعظم کے مرقد انور کی زیارت کو تشریف لائے اور مجھسے ملاقات کی دریافت فرمایا کہ تم رات یہیں بسر کرتے ہو میں نے کہا جی ہاں۔ پوچھا کس سلسلہ میں بعیت ہو اور تمہارا کونسا خاندان ہے۔ میں نے حضرت شیخ الشیوخ کا نام نامی لیا۔ دریافت فرمایا اُن کے کس خلیفہ پر تمہارا سلسلہ منتہی ہوتا ہے میں نے سلسلہ ار

حضرت شیخ الاسلام غوث بہاؤ الملۃ والدین تک شجرہ پڑھا"
اس کے علاوہ کتاب سیر العارفین میں خود مولانا جمالی نے اپنے پیران سلسلہ اور مشائخ طریقت کے جو حالات حوالۂ قلم کئے ہیں اُن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا جمالی سہروردی تھے نہ کہ چشتی، ہم نہیں کہہ سکتے کہ مولانا جمالی کو چشتی بتانے میں مصنف مرحوم کے نزدیک کیا مصلحت تھی۔
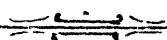
سلطان الہند اور حضرت صوفی حمید الدین کی اولاد کے ایک ہونے کی نسبت جو روایت کتاب سیر العارفین سے نقل کی گئی ہے اُسکے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابھی صفحۂ ہستی سے کتاب سیر العارفین کے نقوش محو نہیں ہوئے ہیں سیر العارفین اٹھاکر دیکھ لو کسی جگہہ اِس روایت کا ذکر بھی نہیں ہے غالباً اس جسارت و جراُت کی مثال دنیا پیش نہیں کرسکتی۔
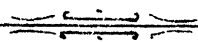
شیخ بایزید ثانی صاحب سجادہ کی ملاقات کا حال جو درج سیر العارفین ہی اُس کا لطف کتاب سیر العارفین ہی کی عبارت کا مطالعہ کرنے سے آسکتا ہی مصنف مرحوم نے قطب الاقطاب غوث الاغواث عطائے رسول کے حالات قلمبند فرمائے ہیں اور اسی ضمن میں خواجہ حمید الدین ناگوری اور خواجہ بدر الدین محمود موزہ دوز کے حالات تحریر فرمائے ہیں چنانچہ ہم خواجہ محمود موزہ دوز کے حالات

یہاں درج کرتے ہیں۔

عبارت سیر العارفین

ذکر حضرت محمود موزہ دوز کہ ایشان بجوار پرانوار حضرت قطب الاقطاب بختیار کاکی نور اللہ مرقدہ آسودہ اند او نیز مردے بزرگ وصاحب کشف وکرامات بودے واغلب درمصاحبت حضرت شیخ المشائخ نظام الدین محبوب الٰہی روح اللہ روحہ ہر کرا بردہ بگریختہ پیش شیخ محمود موزہ دوز آمدے وصورت حال گریختن بردہ برایشان معروض میداشتے ایشاں بعد تامل می فرمودند برو فلاں وقت خواہی یافت۔ فاما در انچہ بردہ گریختہ خودرا بیابی مارا خبر کنی تا بار آں از دلِ من فرود آید۔ خلق نیز ہمچناں بعد یافتن خبر می کردند روزے شخصے پیش ایشان آمدہ عرض نمود۔ مخدوم غلامے داشتم

ترجمہ

"ذکر حضرت محمود موزہ دوز"

حضرت محمود موزہ دوز قطب الاقطاب بختیار کاکی رضی اللہ عنہ کے جوار پرانوار میں آرام فرما ہیں۔ فرد مقدس اور صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے۔ سلطان المشائخ محبوب الٰہی کی صحبت میں بہت رہے ہیں جس شخص کا غلام بھاگ جاتا تھا حضرت شیخ محمود کی خدمت میں حاضر ہوکر غلام کے بھاگنے کی صورت بیان کرتا اور شیخ محمود کچھ تامل فرماکر ارشاد فرماتے کہ جا فلاں وقت تیرا غلام ملجائیگا لیکن جب قرار شدہ غلام تجھے ملجائے ہمیں خبر کردینا تاکہ دل مطمئن ہوجائے چنانچہ تمام لوگ اسی طرح کرتے۔ ایکدن ایک شخص خدمت میں آیا عرض کی کہ اے

ازمن گریختہ است ہمتے فرمایند تا یافتہ
شود حضرت شیخ فرمود کہ برو فلاں وقت
خواہی یافت درانچہ او را بیابی بمن خبر
برسانی او گفت ہمچناں کنم بفرمان اللہ
تعالیٰ ہمدرآں وقت کہ حضرت شیخ فرمودہ
بودند آں غلام را یافت فاما بحضرت
شیخ خبر نرسانید کہ یافتہ ام بعد دو سہ
روز آں غلام باز بگریخت، صاحب غلام
پیش حضرت شیخ آمد و صورت حال گفت
یافتہ بودم غلام باز گریخت فرمود چوں
مرا خبر نہ کردی کہ یافتہ ام دیگر او را
نخواہی یافت ہمچناں شد۔

درایامیکہ ایں حقیر بدولت زیارت
مرقد پر طہارت حضرت ایشاں مشرف
گشت از فرزندان حضرت ایشاں صاحب
سجادہ شیخ المشائخ شیخ بایزید بود رحمۃ
اللہ علیہ و او شیخے کلاں و عظیم الشان

مخدوم میرا غلام بھاگ گیا ہے دعا
فرمائے تاکہ مل جائے حضرت شیخ نے
فرمایا کہ جا فلاں وقت تجھے مل جائیگا
جب مل جائے مجھے خبر کر دینا اُسنے
کہا ایسا ہی کرونگا۔ خدا کے حکم سے
جس وقت کے لئے شیخ نے فرمایا تھا
اُس شخص نے غلام کو پالیا لیکن حضرت شیخ
تک اطلاع نہ پہنچائی کہ میں نے پالیا ہے
دو تین روز کے بعد وہ غلام پھر بھاگ
گیا صاحب غلام حضرت شیخ کی خدمتمیں
آیا عرض کیا کہ غلام مجھے مل گیا تھا پھر
بھاگ گیا شیخ نے فرمایا چونکہ مجھے خبر نہیں کی
اسلئے اب تو نہیں پائیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

جن دنوں میں یہ فقیر آنحضرت کے
مزار اقدس کی زیارت سے مشرف ہوا
اُسوقت آپ کی اولاد سے صاحب سجادہ
شیخ بایزید تھے جو ایک زبردست اور

بوده است۔ سید شمس الدین طاہر کہ
صد و پنجاہ سال عمر داشت خرقہ خلافت
از حضرت شیخ المشائخ شیخ بایزید مذکور
علیہ الرحمۃ یافتہ بود و مرید شیخ المشائخ
شیخ نور بود کہ در بنگالہ آسودہ اند صحبت
سید شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ را با حضرت
ملک المشائخ والاولیا سما الحق والدین
قدس سرہ اعتقادے بعید و اتحادے
بعید بود و با این احقر الانام محبتی عظیم بود
و از ایشاں استماع است کہ زبدۃ
المشائخ معین الدین را در آخر حال
تاہل واقع شد و فرزندان متولد شدند
فاما این حقیر چوں بزیارت روضہ
متبرکہ حضرت زبدۃ المشائخ معین الحق
رحمۃ اللہ علیہ واسعۃ رسیدہ ہمراہ
باتفاق معیت خدمت پیرزادہ برجادہ
شیخ المشائخ شیخ نصیر الدین رحمۃ اللہ

عظیم شان بزرگ تھے۔ شمس الدین طاہر
جو ڈیڑھ سو برس کے تھے انہی شیخ
بایزید کے خلیفہ تھے اور شیخ نور کے
مرید تھے جو بنگالہ میں آسودہ ہیں۔
سید شمس الدین کو میرے پیر و مرشد
کی خدمت میں بے حد اعتقاد و وثوق تھا
اور اس احقر کے ساتھ بھی گہری
دوستی رکھتے تھے ان سے سنا کہ
حضرت خواجہ بزرگ نے آخر عمر میں
نکاح فرمایا اور شہزادگان تولد ہوئے
لیکن جب یہ فقیر حضرت خواجہ
بزرگ کے روضہ متبرکہ کی
زیارت کے لئے اپنے پیرزادہ
اور صاحب سجادہ شیخ نصیر الدین
کے ہمراہ وہاں پہنچا اور زیارت
سے مشرف ہوا تو وہاں عظیم القدر
مجاور مولانا مسعود تھے جن کی عمر

علیہ بود بیکجا زیارت حضرت ایشاں
بحصول پیوست ودرآنجا مجاور رے بود
عظیم القدر مولانا مسعود قریب ہشتاد
سال عمر داشت چنانچہ پدر وآباواجداد
او مولانا احمد بن محمد بن مخدوم قاضی
تاج بن مخدوم قاضی شمس الدین دہلوی
نبیرہ امام محمد شیبانی شرف خدمت
حضرت شیخ مشارٌالیہ قدس سرّہٗ
یافتہ بود۔

انشی سال کے قریب تھی۔ جس
طرح اُن کے باپ دادا مولانا
احمد بن محمد بن مخدوم قاضی
تاج بن مخدوم قاضی شمس الدین
دہلوی نبیرۂ امام محمد شیبانی
کو حضور اقدس کی خدمت کا شرف
حاصل تھا۔

صاحب معین الاولیا نے اصل عبارت مین جو کچھ ایزاد فرمایا ہے اُس کا مقصد اصلی
صرف یہ ہے کہ مولانا جمالی کی زبانی شیخ بایزید کو نائب النبی کا سجادہ نشین تبایا جائے۔
"چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند"
اگر بالفرض یہ صحیح تسلیم کرلیا جائے تو سیر العارفین کی عبارت عجیب مہمل اور بے
ربط ہوجاتی ہے جو کسی طرح مولانا جمالی کے شایان شان علم وفضل نہیں ہے۔ یہ نکتہ
سمجھنے کے لئے سیر العارفین کی اصل عبارت کافی ہے کما لا یخفی علی من لہٗ
ذوق من العلم والعرفان۔ مگر چونکہ ہمیں عامیانہ مذاق کی رعایت بھی منظور

ہے اسلئے وضاحت ناگزیر سمجھتے ہیں۔ دیکھو مصنف معین الاولیا کے بیان کا خلاصہ یہ ہے، اُن کے خیال میں شیخ جمالی یہ کہتے ہیں۔

"جب زیارت مزار خواجہ بزرگ سے مشرف ہوا تو خواجہ بزرگ کے صاحب سجادہ شیخ بایزید سے ملاقات کی لیکن جب خواجہ بزرگ کے مزار کی زیارت سے مشرف ہوا تو مولانا مسعود مجاور سے ملاقات کی شیخ بایزید کے خلیفہ اور مولانا مسعود دونوں حضرات کی زبانی معلوم ہوا کہ خواجہ بزرگ آخر عمر میں متاہل ہوئے اور آپ کے صاحبزادگان تولد ہوئے"

غور کرنا چاہیئے کہ سیر العارفین کی عبارت کا اگر در حقیقت یہی صحیح مطلب ہے تو عبارت میں نہ کوئی ربط باقی رہتا ہے نہ ترتیب اور نہ "اما چوں ایں حقیر" کے اعادہ کا مطلب سمجھ میں آتا ہے ہمارے خیال سے اگر سیر العارفین کا مطالعہ کیا جائے تو عبارت کا صاف مطلب یہ ظاہر ہوتا ہے۔

"جس وقت میں حضرت بدرالدین محمود کے مزار کی زیارت سے مشرف ہوا تو ان کے صاحب سجادہ شیخ بایزید سے ملاقی ہوا اُنکے خلیفہ کی زبانی معلوم ہوا کہ خواجہ بزرگ کے فرزندان تولد ہوئے لیکن جب حضرت خواجہ بزرگ کے مزار پاک کی زیارت سے مشرف ہوا تو وہاں مولانا مسعود مجاور آستانہ سے ملاقات کی"

یعنی یہ مطلب کہ وہاں فرزندان نائب النبی سے کوئی بزرگ نہیں تھے گویا یہ تو میں نے معتبر لوگوں سے سنا کہ خواجہ بزرگ کے فرزندان ارجمند تولد ہوئے لیکن مجھے خواجہ بزرگ کی اولاد میں سے کسی بزرگ سے نیاز حاصل نہیں ہوا باوجودیکہ میں حاضر آستانہ بھی ہوا۔

غور کرنا چاہیے کہ اب عبارت میں کیسا ربط و تسلسل قائم ہو گیا اس کے علاوہ اگر شیخ بایزید حضرت سلطان الہند کے صاحب سجادہ واقعی ہوتے تو ایسی حالت میں مولانا مسعود بجائے اسکے کہ زبانی روایات سے نائب النبی کے صاحب اولاد ہونیکا اثبات کرتے خود شیخ بایزید کا نام پیش کر کے کہتے کہ خواجہ بزرگ کے یقیناً اولاد ہوئی چنانچہ ایک بدیہی دلالت یہ ہے کہ فرزندان خواجہ بزرگ سے صاحب سجادہ شیخ بایزید اب بھی موجود ہیں اور علیٰ ہذا القیاس شیخ شمس الدین خلیفہ شیخ بایزید کا بیان ہوتا اور بعینہٖ یہی گفتگو ہوتی۔

ہمارے خیال میں یہ حقیقت خود مصنف سے بھی پوشیدہ نہیں تھی ورنہ تحریف کی ضرورت ہی پیش نہ آتی اور عبارت کو اپنے مقصد و مدعا کے مطابق بنانے کی کوشش نہ کی جاتی۔ شاید یہ مثال بھی دنیا میں کم ہی نظر آئیگی کہ مطلب برآری کی دھن میں یہ بھی خیال نہ آیا کہ اس قسم کے استناد سے خود کتاب مستند کی صورت مسخ ہو جائیگی بلکہ یہاں اثباتِ مدعا سے کام تھا مولانا جمالی کی قابلیت علمی پر اگر کوئی حرف آتا ہے تو آئے۔

اِس مسئلہ پر ابھی بہت کچھ گفتگو باقی ہے لیکن ہم اس لئے نظر انداز کرتے ہیں کہ ہماری یہ تالیف ضخیم ہو جائیگی۔

نظامیؔ ایں چہ اسرار است کز خاطر عیاں کردی
کسے سرش نمیداند زباں درکش زباں درکش
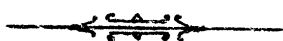
تذکرۃ المعین

یہ کتاب میری والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا کے عم مکرم حضرت مولانا سید زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پھوپی زاد بھائی حضرت مولانا سید دوست محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مشورے سے تحریر فرمائی ہے اس کتاب میں سیرۃ النبی اور خلفائے راشدین کے مقدس حالات خانوادۂ چشت کے پیران سلسلہ کی مبارک زندگی کے سوانح و حالات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جن کی انتہا اپنے پیر و مرشد مخدوم عالم و عالمیان قطب مدار خواجۂ خواجگان حبیب ذی العرش خواجہ اللہ بخش تونسوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاک حالات پر ہوتی ہے۔

بزرگان چشتیہ کے حالات زندگی جو اس کتاب میں تحریر کئے گئے ہیں اُن کا ماخذ زیادہ تر کتاب سیر الاقطاب ہی ہے اسلئے متضاد بیانی سے یہ تذکرہ بھی بری نہیں ہے وہی عام نقص جو قدیم تذکروں میں بالعموم پایا جاتا ہے اس میں بھی موجود ہے یعنی ہر ایک روایت بغیر درایت تحریر کر دی گئی ہے۔

سوانح عمری خواجہ معین الدین چشتی

یہ کتاب سید محمد الیاس صاحب رضوی کی تالیف ہے اور اس میں مؤلف نے خواجہ بزرگ کے سوانح حیات اور اجمیر شریف کے تاریخی مقامات کا بہ تفصیل تذکرہ کیا ہے۔ نیز جا بجا جستہ جستہ مقامات پر اپنے جدید اصول درایت سے صحیح نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے اور بزعم خود اپنی کامیابی پر فخر و ناز بھی ہے چنانچہ بعض اوقات صریر قلم سے بیساختہ غلغلۂ انا لاغیری (ہمچو من دیگرے نیست) بلند ہوا ہے جیسا کہ کتاب کے علاوہ اشتہار کتاب کی تحریر سے بھی ثابت ہے وھو ھذا۔

"حضرت خواجۂ بزرگوار علیہ الرحمۃ کی بے شمار سوانح عمریاں لکھی جا چکی ہیں لیکن جس نقطۂ نگاہ سے یہ سوانح عمری ترتیب دی گئی ہے حقیقت یہ ہے کہ آجتک اس کا ثانی موجود نہیں ہے" انتہیٰ۔

لیکن جب یہ تذکرہ ہماری نظر سے گزرا تو تخیل کے سوائے تاریخی حقائق و اسرار قطعاً مفقود نظر آئے۔ بلکہ بعض مقامات پر مؤلف کے قلم نے وہ سخت ترین ٹھوکریں کھائیں ہیں کہ اب سنبھلنا دشوار ہے۔ حافظ مرحوم نے خوب فرمایا ہے خدا اُن کی تربت پر رحمت نازل فرمائے۔

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست
نہ ہر کہ بتراشد قلندرے داند

پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ مؤلف اپنی اس تالیف کو جو چاہے سمجھ لے لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ سوانح عمری بھی عام تذکروں کی طرح تناقص سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ اختصاراً ہم دو تین مثالیں پیش کرتے ہیں اور تفصیل کسی اور وقت پر چھوڑتے ہیں
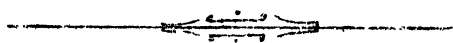
تنقید صفحہ پنتالیس ۴۵ میں انیس الارواح کی نسبت مؤلف کا بیان ہے کہ "انیس الارواح کے لئے مورخ متفق ہیں کہ خواجہ صاحب کی تالیف ہے"۔ اسی لئے مؤلف نے موجودہ طریقہ بیعت پر اعتراض و نکتہ چینی کرتے ہوئے کتاب انیس الارواح کی عبارت بڑے زور و شور سے بطریق سند پیش کی ہے چنانچہ صفحہ تیرہ ۱۳ پر مؤلف کا بیان ہے۔

"آجکل طریقۂ بیعت ضرور رائج ہے مگر اس کا حقیقی منشا غائب ہے اس زمانہ کے طریقۂ بیعت پر نظر ڈالنے کے لئے ہم خود خواجہ صاحب کے الفاظ میں اُن کے خواجہ عثمان ہارونی سے بیعت ہونے کا واقعہ نقل کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں"

"میں ایسی صحبت میں جس میں بڑے بڑے واجب التعظیم بزرگ اور مشائخ اور اہل دل جمع تھے نہایت ادب و انکسار سے حاضر ہوا اُسوقت حضرت مرشد نے فرمایا کہ دو رکعت نماز ادا کرو" الخ

اس اعتراض کا جواب فی الحال ہم ضروری نہیں سمجھتے البتہ یہ سمجھانا ہے کہ مؤلف

نے ایک مقام پر انیس الارواح سے استدلال کیا ہی اور ایک جگہہ اُنکی تردید
دیکھو صفحہ چودہ[۱۴] پر مؤلف رقمطراز ہے کہ "خواجہ بزرگ کامل ڈہائی سال تک
اپنے پیر کی خدمت میں رہے" اور صفحہ پندرہ[۱۵] پر مورخین کے بیان کی تردید کی گئی
ہے تعجب ہے کہ بلا دلیل و برہان عام مورخین کی تردید کیسے کی گئی۔ پھر لطف تو
یہ ہے کہ صرف مورخین ہی کی تردید نہیں ہوئی بلکہ اس سے اُس کتاب کی تردید
و تنقیص ہوتی ہے جو ہمارے معتبر مؤلف کے نزدیک ما بہ الاعتبار و الاستناد
ہے یعنی کتاب انیس الارواح عجیب تماشا ہے کہ مؤلف نے انیس الارواح کے
جس صفحہ کی عبارت سے استناد کیا ہی اُسکے دوسرے ہی صفحہ کی عبارت کا خاکہ بھی اُڑایا ہے

سو بھیس بدلتا ہے ہر دم بت ہرجائی
پھر اُس پہ یہ دعویٰ ہے دیکھو مری یکتائی

واقعہ یہ ہے کہ کتاب انیس الارواح کے جس صفحہ پر خواجہ بزرگ کے مرید ہونے کا
حال درج ہے اُس کے دوسرے ہی صفحہ پر یہ تحریر بھی موجود ہے کہ خواجہ بزرگ
بیس[۲۰] سال پیرو مرشد کی خدمت میں رہے۔ ملاحظہ کیجیے۔

دہ سال بخدمت خواجہ مسافرے بودم آن گاہ خواجہ از عالم مسافری باز گشت در بغداد عزلت گرفت چند گاہ باز مسافر شد دہ سال دیگر ابریق و جامہ خواب	دس سال پیرو مرشد کی خدمت میں مسافر رہا پھر سفر سے واپسی ہوئی اور پیرو مرشد گوشہ نشین ہو گئے۔ دوسری بار پھر پیرو مرشد نے سفر فرمایا

برسر کردہ برابر گشتم، الخ | اور دس سال تک میں بستر اور لوٹا سر پر لئے ساتھ رہا

اب کیا معنی کہ جب یہ کتاب مؤلف کے نزدیک خود خواجہ بزرگ کی تالیف ہے چنانچہ ایک مقام پر اس سے استناد بھی کیا گیا ہے مگر ایک مقام پر پیرو مرشد کی خدمت میں ڈھائی سال رہنے کی صحت پر زور دیا جاتا ہے حالانکہ انیس الارواح سے مدّتِ خدمت بیس سال ثابت ہے۔
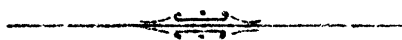
صفحہ چودہ[۱۴] پر مرقوم ہے کہ "حضرت خواجہ نے ۱۰ شوال ۵۶۰ھ کو بروز جمعرات اپنے پیر سے اجازت چاہی اور حصول اجازت کے بعد سفر اختیار کیا"، اس کے بعد حالات سفر بیان کئے ہیں اور حرمین شریفین، بغداد، ہمدان، تبریز، اصفہان، خرقان وغیرہ منازل سفر بتائے ہیں اور ہر مقام پر کم یا زیادہ عرصہ تک قیام فرمانے کی نسبت لکھا ہے اور صراحت کے ساتھ قیام خرقان کی میعاد دو سال بتائی ہے لیکن حیرت کا مقام ہے کہ با این ہمہ صفحہ تیرہ پر ارقام ہے کہ "اجمیر میں آپ ۵۶۱ھ میں تشریف لائے"، غور کرنا چاہیے کہ جب حضرت خواجہ بزرگ کا سن رخصت پانسو ساٹھ ۵۶۰ ہجری ہے اور دو سال خواجہ بزرگ نواح خرقان میں رونق افروز رہے۔ پس گویا مؤلف ہی کے بیان سے یہ ثابت ہی کہ ۵۶۲ھ کے ختم ہونے تک خواجہ بزرگ خرقان کے اطراف میں تشریف رکھتے تھے۔ اور جب خرقان سے آپ رخصت ہوئے تو استرآباد، ہرات، سبزوار

بلخ - غزنی - لاہور - دہلی ہیں کم یا زیادہ عرصہ قیام فرماتے ہوئے خاک پاک اجمیر کو سعادت پابوسی سے مشرف و ممتاز فرمایا - پس مؤلف ہی کے قول سے ۵۶۱ھ میں اجمیر تشریف لانے کی تردید ہو رہی ہے - مگر اس شان بے نیازی کے قربان کہ واقعات کی ترتیب اور مستند روایات سے اسی سن کو سن رخصت ثابت کرنے کی نسبت زدر قلم دکھایا جاتا ہے - حالانکہ نہ واقعات کی ترتیب اس کی شاہد نہ مستند روایات اسکی موئد بلکہ خود مؤلف کا بیان اسکا آپی اور منکر ہے -

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ہم مصنف کی اس قابلیت کے ستائش گر ہیں اور معترف ہیں کہ آجتک درآیت کے ایسے عمدہ اصول ایجاد کرنے کا فخر مؤلف کے سوائے دنیا کے کسی قابل مورخ کو نصیب نہیں ہوا -

---

ان تمام باتوں کو چھوڑ کر اس کتاب کی ایک عجیب خصوصیت سفید کو سرخ، اور چار کو دو بتانا ہی مقصد یہ کہ بدیہات کو برعکس پیش کرنا ہے - مثال ملاخطہ ہو -

شاہجہان کی بڑی لڑکی حورالنسا یا گیتی آرا بیگم کے تعویذ قبر پر عقیق یمنی کی ایک بیش قیمت تختی ہے - حالانکہ ہر وارد و صادر اور مقیم وزائر اس حقیقت سے واقف ہے کہ تعویذ قبر کی تختی پکھراج کی ہے اور سفید ہے مگر مصنف کو اس سے انکار

ہے۔ آن کا ارشاد ہے کہ وہ عقیق یمنی ہے یعنی سرخ ہے۔ اب اس کا علاج کیا۔ ہاں یہ بھی ممکن ہے کہ مؤلف الوان جواہرات سے واقف ہونگے اب انہیں کیا معلوم کہ عقیق اور پکھراج کے رنگ میں کیا فرق ہوتا ہے۔ پس اسوقت اعتراض نہیں کیا جا سکتا کیونکہ

"قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری"

مؤلف کی بلا جانے یہاں تاریخی انکشافات کی ضرورت ہے نہ کہ اظہار الوان جواہرات کی اور سنئے بہشتی دروازہ کی نسبت خامہ فرسائی کی جاتی ہے کہ صرف ایام عرس خواجہ بزرگ یکم رجب سے ۶ رجب تک کھلا رہتا ہے یا عاشورہ محرم پر کھلتا ہے یعنی صرف دو مرتبہ حالانکہ اجمیر کا بچہ بچہ اس سے واقف ہے۔
بہشتی دروازہ سال میں چار بار کھلتا ہے۔ یعنی عرس حضرت خواجہ عثمان ہرونی رضی اللہ عنہ پر اور عرس حضرت خواجہ بزرگ پر نیز دونوں عیدین پر جنتی دروازہ کھلتا ہے۔ عاشورہ محرّم کا تو کوئی ذکر بھی نہیں۔ لیکن مؤلف کے ذوق تجدید کو مرحبا کہ ایسی بدیہی حقیقتوں کو برعکس بیان کیا جاتا ہے جو بلاشبہ دو کو تین تین کو چار، رات کو دن، دن کو رات بتانے کا مترادف ہے۔

اب یہ فیصلہ ارباب نظر کی توجہ پر موقوف ہے کہ جس قلم سے آج ایسی موجودہ بدیہیات کی حقیقتیں معکوس بیان کی جاتی ہیں اُس قلم سے آج سے آٹھ سو سال پہلے کا حال صحیح نکل سکتا ہے یا نہیں۔

"قیاس کن ز گلستان من بہار مرا"

ہم نے کتاب معین الاولیا، کتاب تذکرۃ المعین، سوانح عمری خواجہ معین الدین چشتی پر تنقیدی نگاہ سے محض اسلئے قلم اُٹھایا ہے کہ یہ تینوں کتابیں اجمیر شریف میں تالیف ہوئی ہیں ورنہ عام لوگوں میں ان کی وہ حیثیت نہیں ہے جو قدیم تذکروں کو حاصل ہے نہ یہ تینوں کتابیں بلحاظ زمانہ کتب قدیمہ کہلانے کی مستحق ہیں۔

ملفوظات

اس وقت جبکہ تذکروں کی حقیقت نمایاں اور عریاں کی جاچکی ہے اگر ملفوظات پر بھی سرسری نظر اور مختصر تنقید ہو جائے تو نا مناسب نہیں ہے تاکہ جو غلط اعتقاد کہ قلوب عوام میں راسخ ہو چکا ہے اُس کی صحیح اصلاح ہو سکے ہمارے مطالعہ میں اس وقت مندرجہ ذیل کتب ملفوظات ہیں جن کی نسبتِ تالیف کسی طرح صحیح نہیں ثابت ہوتی۔

"ربنا ما خلقت ھذا باطلا"

انیس الارواح۔ ملفوظات حضرت خواجہ خواجگان خواجہ عثمان ہروَنی مؤلفہ حضرت سلطان الہند عطائے رسول غریب نواز۔

دلیل العارفین۔ ملفوظات حضرت خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی سنجری مؤلفہ حضرت قطب الاقطاب بختیار کاکی۔

فوائد السالکین۔ ملفوظات حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ قطب الدین بختیار کاکی مؤلفہ حضرت فرید العصر خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر۔

راحت القلوب۔ ملفوظات حضرت خواجہ خواجگان خواجہ فرید الملت والدین گنج شکر مؤلفہ حضور محبوب الٰہی سلطان المشائخ۔

تنقید | چونکہ یہ مبحث طوالت پذیر ہے اسلئے فی الحال بلحاظ اختصار کیا

اجمالی گفتگو کی جاتی ہے۔ کتاب سیر العارفین میں مرقوم ہے۔

نقل است از حمید قلندر کاتب ملفوظ خیر المجالس ایشاں کہ یکے بحضرت نصیر الملۃ والدین محمود عرض نمود کہ در ملفوظ حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ و حضرت خواجہ قطب الدین چنیں نوشتہ دیدم ایشاں بفرمودند کہ ایں سخنہا برمن رسیدہ اند حاشا کہ از ایشاں باشد در آنجا بسیار کلمات مجاوراں و معتقدان نا وقوف نوشتہ اند کہ ہرگز موافق احوال و اعمال ایشاں نیست۔

حضرت نصیر الملۃ والدین چراغ دہلی کے ملفوظ مبارک کتاب خیر المجالس کے کاتب حمید قلندر سے نقل ہے کہ کسی شخص نے آنجناب کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے حضرت خواجہ بزرگ اور قطب الاقطاب کے ملفوظ میں ایسا دیکھا ہی ارشاد فرمایا کہ یہ تمام باتیں مجھ تک پہنچی ہیں خدا کی قسم جو اُن سے ہوں اِس جگہ ناوقوف معتقدین و مجاورین نے بہت ہی باتیں بڑھا دی ہیں جو اُنکے اعمال و احوال کے مطابق نہیں ہیں۔

سیر العارفین کی اس روایت کے مطالعہ کے بعد اصل کتاب خیر المجالس کا مطالعہ ضروری ہو جاتا ہے اسلئے عبارت ترجمہ خیر المجالس کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔

"اہل محفل سے ایک عزیز نے عرض کیا کہ ملفوظ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس اللہ سرہ العزیز میں لکھا ہوا ہے کہ درویشوں کا مقولہ ہے کہ جو شخص دوگانے ذبح کرے اُس نے دو خون کئے اور چار ذبح

دو کرے گویا چار خون کئے اور جو چار گوسفند ذبح کرے اس نے گویا ایک خون کیا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا لفظ ہارونی نہیں ہے بلکہ ہرونی بلا الف ہے اور ہرون اس قصبہ کا نام ہے جہاں کے حضرت خواجہ عثمان تھے، پھر فرمایا ایسے ہی بزرگوں کے حق میں آیا ہے الرجال فی القریٰ یعنی مرد گانوں میں ہوا کرتے ہیں اور اکثر مشائخ مردان خدا گانوں میں ہوئے ہیں۔ پھر فرمایا کہ وہ ملفوظ اُن کا نہیں ہے میری نظر سے گزرا ہے اس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو اُن کے علم و ارشاد کے مناسب نہیں ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا میرے حضرت پیر و مرشد جناب سلطان الاولیا قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی اسلئے کہ شیخ الاسلام حضرت فریدالدین اور شیخ الاسلام حضرت مولانا قطب الدین نیز باقی خواجگان وغیرہ ان مشائخ نے جو داخل شجرہ ہیں کسی نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔

میں نے عرض کیا کہ فوائد الفواد میں ہے۔ ایک شخص نے جناب سلطان الاولیا قدس سرہ العزیز کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے ایک معتبر شخص سے سنا ہے وہ کہتا تھا کہ میں نے آپ کی تصنیف سے ایک کتاب دیکھی ہے حضرت سلطان الاولیا نے فرمایا اُس نے غلط کہا میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی اسلئے کہ ہمارے خواجگان نے کوئی

کتاب نہیں لکھی، یہ سُن کر خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے ارشاد فرمایا کہ واقعی ہمارے حضرت سلطان الاولیا نے کوئی کتاب تحریر نہیں فرمائی۔

پھر میں نے عرض کیا کہ جو رسالے اسوقت دستیاب ہوتے ہیں جیسے ملفوظات حضرت خواجہ عثمان ہرونی اور ملفوظات حضرت خواجہ قطب الدین وغیرہ کیا یہ کتابیں بڑے حضرت (حضرت باباصاحب) کے زمانہ میں ظاہر نہ ہوئی تھیں۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا اُس وقت نہیں تھیں، اگر اُن حضرات کی تصنیف ہوتیں تو بڑے حضرت اُن کا ذکر ضرور فرماتے اور ضرور دستیاب ہوتیں۔

ذبح جانوران کی جس روایت کا انکار حضرت چراغ دہلی نے فرمایا ہے کتاب انیس الارواح کی گیارہویں مجلس میں یہ روایت موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کتاب کی نسبتِ تالیف قطعاً غیر صحیح ہے اور اسے ملفوظات خواجہ عثمان ہرونی نہیں کہا جاسکتا۔ نیز اسی طرح مذکورہ بالا روایت خیر المجالس سے دوسری کتب ملفوظات کی تردید ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ کتاب افضل الفوائد ملفوظ حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ مؤلفہ حضرت امیر خسرو کا بیان ہے۔

(افضل الفوائد مطبوعہ مطبع رضوی دہلی)	(ترجمہ مطبوعہ مطبع رضوی دہلی)
سخن در بزرگی شیخ معین الدین سنجری	شیخ معین الدین سنجری قدس سرہ کی بزرگی

قدس اللہ سرہٗ افتاد حکایت فرمود آن روز کہ شیخ معین الدین بخدمت خواجہ عثمان ہرونی نور اللہ مرقدہٗ پیوست وبیعت آورد، ونیز ہر فوائد کہ از زبان شیخ می شنید آن را بقلم می آورد چنانچہ این حکایت در بزرگی شیخ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ درآں فوائد ایشاں نبشتہ دیدہ ام کہ مادر خواجہ حسن بصری از موالی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بود پس مادرش بکار مشغول شدے خواجہ حسن بصری بگریستے کہ ہنوز شیر می خورد ام سلمہ پستان خود در دہان او نہادے تا بمکیدے قطرۂ چند شیر پدید آمدے۔

کا ذکر شروع ہوا آپ نے فرمایا کہ جس روز شیخ معین الدین خواجہ عثمان ہرونی کی خدمت میں پہنچے اور بیعت حاصل کی، وہ بھی جو فوائد زبان شیخ سے سنتے تھے اُن کو لکھ لیتے تھے چنانچہ یہ حکایت شیخ حسن بصری کی بزرگی میں، میں نے اُن فوائد میں لکھی دیکھی ہے کہ خواجہ حسن بصری کی والدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی موالی میں سے تھیں پس ایک روز اُن کی والدہ کام میں مشغول تھیں، خواجہ حسن بصری روتے تھے کیونکہ ابھی دودھ پیتے تھے اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا پستان مبارک اُنکے منہ میں دیا اُنھوں نے اُسکو چوسا چند قطرے اُس میں سے نکلے۔ (۲۷ جمادی الآخر)

بظاہر فضل الفوائد شریف کی اِس روایت سے حضور محبوب الٰہی کے خلیفہ اعظم خواجہ خواجگان خواجہ نصیر الدین محمود کے بیان کی تردید ہوتی ہے۔ اور غالباً انہیں وجوہ سے کتب ملفوظات کی نسبت یہ عام غلط فہمی شائع ہوئی لیکن

اگر کسی وقت بھی درایت کی نگاہ سے توجہ فرمائی جائے تو معلوم ہو جائے کہ دونوں تاجداران چشت کے بیانات اپنی اپنی جگہہ صحیح ہیں اور دونوں ارشادات سے ہمارے بیان کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ نصیر الدین کی زبان فیض ترجمان سے اُس کتاب کی تردید ہوتی ہے جسمیں ذبح جانوران کی روایت موجود ہے۔ اور حضرت محبوب الٰہی کے ارشاد مبارک سے اُن فوائد کی صحت ثابت ہوتی ہے جن میں خواجہ خواجگان خواجہ حسن بصری کی بزرگی کا بیان ہے۔

کتاب انیس الارواح جس کی نسبت تالیف میں ہمیں شبہ ہی حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کے بیان سے قطعاً غیر صحیح ثابت ہوئی کیونکہ یہ وہی کتاب ہی جس میں ذبح جانوران کی روایت موجود ہے اور بزرگی شیخ حسن بصری رضی اللہ عنہ کی روایت کتاب انیس الارواح میں کسی جگہہ مرقوم نہیں، پس حضور محبوب الٰہی کے بیان سے کسی طرح اس کی صحت ثابت نہیں کی جاسکتی۔

ہاں یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حضور اقدس خداوند نعمت نے کچھہ فوائد قلمبند فرمائے۔ اور وہ فوائد کتاب انیس الارواح کے علاوہ ہیں۔ فوائد کے لکھنے میں اور ملفوظات مرتب کرنے میں جو فرق ہے وہ بداھتہً ظاہر ہے۔ فوائد جستہ جستہ لکھے جاسکتے ہیں لیکن ملفوظات ہمیشہ کتابی صورت میں لکھے جاتے ہیں پس فوائد کے لکھنے سے کسی کتاب کی تالیف وتصنیف نہیں ثابت ہوتی۔

تعجب ہی کہ جب آج بکثرت اِس جانب رجحان ہے کہ دیوان خواجہ معین الدین چشتی اور دیوان خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہما کی نسبتیں صحیح نہیں ہیں پھر ان ہی لوگوں کے نزدیک انکار ملفوظات اِک بدعت سئیہ اور گناہ کبیرہ کیوں ہے۔ باوجودیکہ حضرت محبوب الٰہی اور حضرت چراغ دہلی کی روایات سے ان کی پوری تردید ہو رہی ہے۔ اگر سچ پوچھا جائے تو ہمارے نزدیک ان مقدس افراد کیجانب ان تصانیف کی نسبت کرنا ایک ایسی خطا ہی جسکی معافی ناممکن ہے

"جرم را اینجا عقوبت ہست استغفار نیست"

اسلئے کہ ان عارفان الٰہی اور عالمان علوم نامتناہی کی زبان فیض ترجمان سے اسرار شریعت وطریقت رموز معرفت وحقیقت کی ترجمانی ہوتی تو بجا تھا۔ نہ کہ چند ایسی سطحی باتوں کا ذکر جس سے ہرکس وناکس کچھہ نہ کچھہ ضرور واقف ہے۔ اِس پر تفصیلی گفتگو تو کبھی کی جائیگی۔ لیکن اِس وقت اُن معتقدان ناواقف کی حالت پر ماتم کیا چاہیئے جو ان معمولی تصانیف کی نسبت ہمارے خداوندان نعمت کی جانب کرتے ہیں اور انہیں کبھی اس کا احساس نہیں ہوتا کہ یہ انتساب ان بزرگ ومقدس افراد کاملین کی رفعت شان اور وقعت مرتبت کے بالکل خلاف ہے۔

برافگن پردہ تا معلوم گردد

کہ یاراں دیگرے رامی پرستند
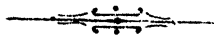
تفصیل مع الاجمال

انیس الارواح | اس کتاب میں شروع سے آخر تک کسی جگہہ بہی کسی واقعہ کا سن وتاریخ نہیں ہے اسلئے فی الحال ہم اِس پر اس حیثیت سے بحث نہیں کر سکتے۔

دلیل العارفین | تمام قلمی اور مطبوعہ نسخے دیکھے لیکن سب متفق اللفظ ہیں کہ سنہ ۵۱۲ھ میں حضرت قطب الاقطاب حضرت خواجہ بزرگ کے سلسلہ ارادت میں منسلک ہوئے حالانکہ کسی طرح یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ سنہ ۵۱۲ھ میں حضرت غریب نواز عالم وجود میں رونق افروز تھے، صاحب اقتباس الانوار نے بعض روایات کتاب زبدۃ الحقائق سے نقل کی ہیں اور جرح و تعدیل کرکے اُن کی تصنیف کی ہے باوجودیکہ اس کتاب کی نسبت ان کا بیان ہے کہ یہ کتاب حضرت سلطان الہند کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اور حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی تالیف ہی۔ ابھی دلیل العارفین ہی کی نسبت تالیف محقق نہیں ہوئی تھی کہ یہ ایک نئی تالیف اور پیدا ہوگئی۔ سبحانک ھٰذا بھتان عظیم۔

فوائد السالکین | سنہ ۵۸۴ھ میں فرید العصر حضرت فرید الملت والدین حضرت

قطب الاقطاب سے بیعت ہوئے قلمی اور مطبوعہ تمام نسخے اسکے شاہد ہیں۔ حالانکہ تاریخ فرشتہ وغیرہ بعض کتب کی تصریح سے حضرت موصوف و ممدوح کا یہی سنہ ولادت ہی اور بعض کتابوں کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ۵۸۴ھ میں آپ کو پندرہواں سال تھا، کتاب سیر العارفین میں مرقوم ہے کہ اٹھارویں برس میں آپ بیعت ہوئے کتاب سیر الاقطاب میں ۶۹۰ھ کو سن وصال بتایا گیا ہے، اور آغاز تذکرہ میں ۹۵ سال کی عمر بتائی ہے اِس حساب سے ۵۹۵ھ سن ولادت قرار پاتا ہے گویا مذکورہ سن بیعت سے گیارہ سال بعد۔ لیکن چونکہ یہ ایک مختلف فیہ معاملہ ہوگیا ہے اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ پندرہویں سال آپ بیعت ہوئے۔ لیکن اس سے حضرت خواجہ نصیر الدین خلیفہ و جانشین حضور محبوب الٰہی کے مذکورہ بیان کی کسی طرح تردید نہیں ہوسکتی۔

راحت القلوب ۶۵۵ھ میں حضرت محبوب الٰہی نے حضرت فرید الملت والدین سے تعلق بیعت کا شرف حاصل فرمایا۔ تمام تذکروں کا بیان ہے کہ ۶۳۴ھ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اب اگر کتاب سیر العارفین کی روایت کے مطابق یہ صحیح تسلیم کرلیا جائے کہ پچیس ۲۵ برس کی عمر میں آپ بیعت ہوئے تو اس حساب سے ۶۵۴ھ سن بیعت سمجھا جائیگا۔ بالفرض اگر یہ سب غلط ہے تو خود حضور محبوب الٰہی کا ارشاد سنو حضرت حسن علا سنجری نسخہ شریفہ فوائد الفواد میں تحریر فرماتے ہیں

عبارت مطبوعہ	ترجمہ مطبوعہ
چہارشنبہ پانزدہم ماہ محرم سنہ عشر و سبعمائۃ دولت پابوس میسر شد سخن در کتب مشائخ اُفتاد و فوائدے کہ ایشاں نوشتند عزیزے حاضر بود عرضداشت کرد کہ مرا در اودہ مردے کتاب نمود گفت کہ این نبشتۂ خدمت مخدوم است خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر گفت کہ تفاوت گفتہ است من ہیچ کتابے نہ نوشتہ ام۔	۱۵ محرم سنہ ۷۱۰ھ کو دولت پابوسی حاصل ہوئی۔ کتب مشائخ کا ذکر آیا نیز اُن کے فوائد کی باتیں ہونے لگیں جو اس میں مرقوم ہیں ایک حاضر باش عزیز نے عرض کیا کہ مجکو اودہ میں ایک شخص نے ایک کتاب دکھلاکر کہا یہ حضرت مخدوم کی لکھی ہوئی ہے ارشاد فرمایا کہ اُس نے غلط کہا میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔

محبوب الٰہی سلطان المشائخ کے اس فرمان واجب الاذعان سے صرف راحت القلوب ہی کی نہیں بلکہ دوسری تمام کتب ملفوظات سلف کی تردید ہوتی ہے اسلئے کہ مجلس میں کتب مشائخ کا ذکر آئے اور اس تاجدار چشت کی زبان حق ترجمان پر اپنے اسلاف کرام کی کتابوں کا نام تک نہ آئے۔ اِس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یاتو حضور محبوب الٰہی کو ان کتابوں کا علم نہیں تھا یا آنجناب کے نزدیک اِن کی نسبتیں صحیح و درست نہیں تھیں، باہرحال دونوں صورتوں میں حضرت چراغ دہلی کے ارشاد کی تائید ہوتی ہے۔

"کتاب افضل الفوائد کا بیان ہے"

عبارت مطبوعہ

فرمود کہ شیخ الاسلام فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز شنیدہ بود کہ دعاگوی ہرچہ اززبان شیخ فوائد وخیر آں می شنود می نوشت پس ہر وقتے کہ دعاگوے یک لحظہ از مجلس غائب بودے آں زماں کہ برفتے فرمودے باز آں را بیان کردے اگر اثر غفلت در دعاگو بدیدے روے سوے دعاگوے کردے وگفتے حاضر ہستی۔

۲۷ جمادی الآخر

ترجمہ مطبوعہ

فرمایا کہ شیخ الاسلام فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی زبان گوہر فشاں سے جو فوائد وغیرہ دعاگو سنتا تھا لکھ لیتا تھا۔ پس جس وقت دعاگو مجلس سے غائب ہوتا جب جاتا فرماتے تو کہاں تھا جو فوائد پہلے بیان فرمائے ہوتے اُنکو پھر بیان فرماتے اگر دعاگو میں غفلت کا نشان دیکھتے دعاگو کیطرف منہ کرکے فرماتے تو حاضر ہے

غالباً لفظ فرمود کے بعد لفظ از سہوِ کاتب سے رہ گیا ہے اور اسی لئے مترجم نے اس واقعہ کو حضرت محبوب الٰہی کی جانب منسوب کیا ہے حالانکہ عبارت فارسی کے معنی بظاہر یہ ہیں کہ حضور محبوب الٰہی نے ارشاد فرمایا کہ شیخ الاسلام فرید الحق سے سُنا تھا کہ دعاگو جو کچھ زبان شیخ سے سنتا تھا لکھ لیتا تھا، پس اِسوقت اس روایت کو کتاب فوائد السالکین کی صحت میں پیش کیا جا سکتا ہے لیکن چونکہ

مترجم نے ترجمہ میں اس واقعہ کو حضرت محبوب الٰہی کی جانب منسوب کیا ہے اسلئے ہم دونوں حالتوں پر تبصرہ کرتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت دونوں حالتوں میں بظاہر حضرت چراغ دہلی خواجہ نصیر الدین اور کتاب مستند فوائد الفواد شریف کے بیانات کی تردید کرتی ہے۔ اور اس وقت لامحالہ دونوں روایتوں میں سے ایک روایت کی صحت اور ایک روایت کی عدم صحت کا اقرار لازمی ہو جاتا ہے۔ حالانکہ دنیا کے کسی شخص کو بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ رواۃ ثقات ہیں اور اگر ان کے علو مرتبت سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو بھی تاریخی اصول سے ان بزرگ و مقدس افراد کے بیانات واجب الاذعان ہیں۔ اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو درحقیقت دونوں بیانات اپنی اپنی جگہہ صحیح ثابت ہیں عبارت افضل الفوائد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فریدالعصر یا حضرت محبوب الٰہی نے اپنے پیر و مرشد کی حضوری میں کچھ فوائد قلمبند فرمائے اور کسی کتاب کی تالیف کا ذکر نہیں کیا گیا نہ ملفوظات مرتب کرنے کا حال بیان کیا گیا اب چونکہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے ارشاد مبارک سے صراحۃً اور کتاب فوائد الفواد سے حقیقتاً تمام کتب ملفوظات کی تردید ہو رہی ہے اس لئے اس عبارت افضل الفوائد کی تاویل نہیں کی جا سکتی کیونکہ اگر درحقیقت اس کا یہی مطلب ہوتا تو حضور چراغ دہلی اس طرح قطعی طور پر اسکے خلاف فیصلہ نہ فرماتے لہٰذا ایسی حالت میں دونوں مقدس بزرگوں اور دونوں مقدس کتابوں کے

ارشادات واجب الاذعان کی صداقت کو تسلیم کرتے ہوئے یہ یقیناً تسلیم کرنا پڑیگا
کہ حضرت فریدالعصر یا حضرت محبوب الٰہی نے اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں رہ کر
کچھ فوائد ضرور قلمبند فرمائے اور کوئی کتاب ملفوظ تحریر نہیں فرمائی حضرت فریدالعصر
کے تحریر فرمودہ اکثر فوائد کتاب سیرالاولیا میں مرقوم ہیں چنانچہ مثالاً ملاحظہ ہو کہ

"صاحب سیرالاولیا کا بیان ہے"

بخط مبارک سلطان المشائخ نوشتہ دیدہ
ام کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین
فرمود زکوٰۃ بر سہ نوع است زکوٰۃ شریعت
و زکوٰۃ طریقت و زکوٰۃ حقیقت، زکوٰۃ
شریعت آنست کہ از دویست درم پنج
درم بدہند و زکوٰۃ طریقت آنست کہ از
دویست پنج درم نگاہ دارند و باقی بدہند
و زکوٰۃ حقیقت آنست کہ ہمہ بدہد و ہیچ
نگاہ ندارد بعدہٗ فرمود آنکہ از دویست
درم پنج درم میدہند ہمیں باشد کہ او را
بخیل نگویند اما او را سخی ہم نتواں گفت
سخی او را گویند کہ از زکوٰۃ زیادہ دہد بعدہٗ

میں نے حضرت سلطان المشائخ کے خط
مبارک سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ شیخ
گنج شکر نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ کی تین
قسمیں ہیں، زکوٰۃ شریعت، زکوٰۃ طریقت
و زکوٰۃ حقیقت، زکوٰۃ شریعت وہ ہے کہ
چالیس درم سے پانچ درم دیدے، زکوٰۃ
طریقت وہ ہے کہ چالیس درم سے پانچ درم
بچالے اور باقی دیدے، زکوٰۃ حقیقت وہ
ہے کہ کچھ نہ بچائے سب خیرات کردے
فرمایا جو شخص چالیس درم سے پانچ دیتا ہے
اُسے بخیل نہیں کہتے لیکن اُسکو سخی نہیں
کہہ سکتے سخی وہ ہے جو زکوٰۃ سے زیادہ دے

فرمود کہ فرق میان سخی و جواد این است
سخی آن باشد کہ گفتم فاما جواد آنست
کہ بسیار بخشد مثلاً از دو بست درم پنج
درم نگاہ دارد و باقی بہ بخشد و میفرمود
جنید رحمۃ اللہ علیہ با علمائے عہد خود
گفتے یا علماء السوئے زکوٰۃ علم بدہید یعنی
از دو بست مسئلہ کہ آموختہ آید برہ پنج
مسئلہ کار کنید و از دو بست حدیث
پنج حدیث معمول دارید و بخط مبارک
حضرت سلطان المشائخ نوشتہ دیدہ
ام قال النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام، الخ
(صفحہ ۳۰۲)

پھر فرمایا سخی اور جواد کے درمیان یہ
فرق ہے کہ سخی وہ ہے جس کا بیان کیا گیا
لیکن جواد وہ ہے کہ بہت خیرات کرے
مثلاً چالیس درم سے پانچ درم صرف بچائے
اور باقی خیرات کر دے۔ بعدہ فرمایا کہ
حضرت جنید بغدادی اپنے زمانہ کے علماء
سے فرماتے تھے کہ یا علماء سو علم کی زکوٰۃ
ادا کرو یعنی ہر چالیس مسئلوں میں سے پانچ
مسئلوں پر عمل کرو اور ہر چالیس احادیث
سے پانچ حدیثوں کو اپنا دستور العمل
بناؤ۔

پس یہ ہیں وہ فوائد جو حضور محبوب الٰہی نے قلمبند فرمائے ہیں۔ چنانچہ سیر الاولیا
جیسی مستند و قدیم کتاب اس کی تائید میں کافی ہے۔
باہر حال یہ اک حقیقت واضح و روشن ہے کہ ملفوظات مذکورہ بالا کی نسبتیں
قطعاً غلط ہیں۔ مگر زمانہ کا انقلاب دیکھو کہ انتساب تصانیف کا یہ واقعہ آج ایسا
معتقد علیہ ہو گیا ہے کہ اس کا انکار کفر و ضلالت اور اس کا منکر کافر و گمراہ کہا

جاتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس غلط انتساب کی علت غائی اور وجہ تسمیہ کیا تھی۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَاب۔

دیدیم کہ اینہا ہمہ خواب است وخیال ست
مردانہ ازیں خواب وخیالات گزشتیم

فوائد الفواد یہ وہی کتاب ہے جس کے عوض میں حضرت امیر خسرو اپنی تمام تصانیف دینے کے لیے آمادہ تھے لیکن حضرت حسن علا سجزی نے اس معاوضہ پر بھی یہ کتاب دینا قبول نہیں کیا، کتاب خیر المجالس کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نصیر الدین رح کی زبان فیض ترجمان پر متعدد بار اس ملفوظات مبارک کا ذکر آیا ہے کتاب سیر الاولیا جسے نسبتہ میں وابستگان حضور محبوب الٰہی میں سے حضرت سید محمد مبارک علوی کرمانی امیر خورد نے تالیف فرمائی ہے اِس کتاب شریف کی نسبت اس طرح رقمطراز ہے۔

امیر حسن بحضرت شیخ اعتقاد داشت انچہ در مدت ارادت خود در مجلس شیخ از انفاس متبرکہ شیخ شنیدہ بود عین ملفوظ شیخ را جمع کردہ است آن را فوائد الفواد نام نہاد۔

امیر حسن حضرت شیخ کی جنابیں اعتقاد رکھتے تھے اپنی ارادتمندی کے زمانہ میں مجلس شیخ میں جو کچھہ شیخ کے انفاس متبرکہ سے سُنا بجنسہٖ ملفوظ شیخ جمع کیا اور فوائد الفواد نام رکھا۔

کتاب مناقب فخریہ میں خانوادہ چشت کے تاجدار محب النبی خواجہ خواجگان مولٰنا فخر الدین رضی اللہ عنہ کی نسبت باب اطوار و عادات میں یہ روایت درج ہے۔

کتاب فوائد الفواد را بسینہ مبارک یا بسر داشتن۔	کتاب فوائد الفواد کو سینہ مبارک پر یا سر طہر کے نزدیک رکھنا (آپ کی عادت تھی)

فضل الفوائد

اسی طرح حضرت امیر خسرو نے حضرت محبوب الٰہی کے جو ملفوظات ترتیب دیئے ہیں قرینہ دلالت کرتا ہے کہ وہ صحیح ہیں کیونکہ حضرت امیر کو خدمت اقدس میں خاص قرب اور امتیازی حضوری حاصل تھی پھر چونکہ آپ صاحب تصانیف کثیرہ ہیں اسلئے یہ خلاف عقل معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پیر و مرشد کے ملفوظات جمع نہ فرمائے ہوں۔ اسکے علاوہ فضل الفوائد خود اپنی صحت کی شاہد ہے کہ متعدد بار جناب امیر نے حضور اقدس میں مسودات پیش کئے اور اس پر سرکار محبوب الٰہی نے اصلاحیں فرمائیں۔

خیر المجالس

کتاب شریف خیر المجالس اپنی صحت کی آپ شاہد ہے۔ اسکے مؤلف مولٰنا حمید قلندر ہیں اور یہ کتاب حضرت خواجہ خواجگان خواجہ نصیر الدین محمود کی ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ کتاب خیر المجالس سے مولٰنا جامی نے استنباط فرمایا ہے ہم اسوقت اس کی ایک مجلس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جسمیں حضرت حمید قلندر کا کتاب کو خدمت اقدس میں پیش کرنا

اور حضرت شیخ کا اصلاح فرمانا مرقوم ہے۔

"مجلس ۶ سعادت پابوسی حاصل ہوئی کتاب خیر المجالس کے ساٹھ یا ستر مجلسیں لکھی جا چکی تھیں اور اِس گنج سعادت کا حجم ہو گیا تھا یاران طریقت نے اِسے نقل کرنا چاہا۔ میں نے کہا تمام کر لینے دیجیے حضرت میں پیش کی، دست مبارک میں لیکر فرمایا کس قدر ہو گئی، عرض کیا تیس یا چالیس مجلسیں رہی ہیں سو مجلسیں پوری کرونگا بعض دوست نقل کرنا چاہتے ہیں لہذا پہلے ملاحظہ اقدس میں پیش کرتا ہوں آپ نے دست مبارک سے چند ورق اُلٹ کر مطالعہ فرمائے وہ چند جزء تھے اور باقی اجزا سُرخ جزدان میں رکھے ہوئے تھے ابھی ان کا شیرازہ نہیں بندھا تھا۔ خواجہ نے ابراہیم خادم کو سوئی تاگا لانے کے لئے فرمایا وہ سیہ ریشم کا باریک و مضبوط تاگا لائے سینے کے لئے ارشاد ہوا جب وہ باندھ چکے تو فرمایا یہ جو لکھا ہے الصوفی غنیٌ عن اللہ تعالیٰ یہاں عن کی جگہہ من بناؤ میں نے تعمیل ارشاد کی، پھر ارشاد فرمایا یہ مسئلہ علم نحو پر مبنی ہے اگر کسی نے کہا انا غنیٌ عن اللہ تعالیٰ تو وہ شخص کافر ہو گیا اگر کہا انا غنیٌ من اللہ تعالیٰ تو وہ کافر نہیں ہوا۔

واقعہ یہ ہے کہ واقعہ کا انداز بیان خود اپنی صحت کا ضامن ہے لیکن صاحب ذوقِ سلیم ہی اِس حقیقت سے واقف ہو سکتا ہے پس ہماری نگاہ میں یہ ملفوظات قطعاً صحیح اور ان سے استناد یقیناً بجا ہے۔ ان کی نسبت ہائے تالیف بالکل درست ہیں۔

سیر الاولیا

اِس کتاب میں پیرانِ سلسلہ اور مشائخ طریقت کے مبارک حالات عہد سلطان المشائخ تک بیان کئے گئے ہیں اور ان حضرات کے ملفوظات بھی مصنف مرحوم نے سپردِ قلم فرمائے ہیں اسلئے اِس تذکرہ کو بھی ملفوظات کی فہرست میں شامل کر دیا گیا۔

اِس کی روایات و انداز بیان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب بھی ایک سند ہی اسکے علاوہ تاجدار چشتیاں حضرت مولانا فخر الدین رضؓ کے دستخط مبارک اصل کتاب پر ثبت ہیں جیسا کہ اِسکے ناشر کا بیان ہے پس اِس کتاب کی صحت سے یکا یک اِنکار نہیں کیا جا سکتا۔

قول فیصل
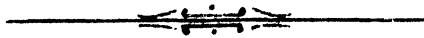
صد قول بیک زمزمہ طے می کنم امشب

صد مرحلہ از حوصلہ پے می کنم امشب

تذکروں کی متضاد بیانی کا راز فاش کیا جا چکا حقیقت بے نقاب آشکارا ہو چکی غلط بیان واقعہ نگاران سلف کا معیار اعتبار معلوم ہو گیا۔ سرکار والا تبار کے واقعاتِ حیات سے ابہام و اجمال کا پردہ اُٹھ گیا۔

کہاں ہیں پرستاران تصانیف دیرینہ دیدہ عبرت سے ملاحظہ فرمائیں، اور "خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا" کی تصدیق کریں، کہاں ہیں شخصیتوں کے پوجنے والے آنکھیں کھولیں اور "خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم" کی واقعیت کو تسلیم کریں، کہاں ہیں زباں درازان طعن و ملامت اگر گوش ہوش رکھتے ہیں تو آئیں اور حقیقت حال ہم سے سنیں۔

جامی نشانِ منزلِ مقصود می دہد

اے سالکانِ راہ طلب این تذ هیون

چونکہ کسی صحیح تاریخ میں سلطان الہند آقائے ولی نعمت کے حالات بہ تفصیل موجود نہیں ہیں البتہ کچھ تذکرے اس عنوان پر ضرور لکھے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج ان ہی متضاد بیان اور غلط نگار تذکروں سے اقتباس ناگزیر ہو گیا لیکن ہمنے

درایت و روایت کے صحیح اصول سے ہر مختلف فیہ مسئلہ کی تنقید کی ہے۔ اور تذکروں کے انداز بیان کی کبھی تقلید نہیں کی۔

طرز دگراں وداع کردم
نوع دگر اختراع کردم

لیکن یہ ناانصافی اور احسان فراموشی ہے اگر ہم ان تذکرہ نویسوں کے شکر گزار نہوں، اسلئے کہ اگر آج یہ تذکرے بھی دنیا سے محو ہوتے تو غالباً پھر کوئی ذریعہ ایسا نہیں تھا جس سے سلطان الہند کے حالات صراحت کے ساتھ معلوم کئے جاسکتے۔ آپ قطب الاقطاب غوث الاغواث برہان شریعت سلطان طریقت حجۃ اللہ، حبیب اللہ، نائب النبی عطائے رسول فخر دودہ چشتیان سلطان الہند غریب نواز وارثِ خاتم المرسلین خواجۂ خواجگان خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری اجمیری قدس اللہ سرہ العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات مبارک ومقدس کے پاک ومقدس حالات اختصاراً عرض کئے جاتے ہیں۔

لی حبیبٌ ہاشمیٌ فاطمیٌ سنجری
درد عشقش بیدلاں را مایۂ جاں پروری

سن ولادت ۵۳۰ھ

اگرچہ تذکرہ نویس اس مسئلہ میں مختلف بیان ہیں اور علیٰ اختلاف الاقوال خواجہ بزرگ کا سن ولادت ۵۳۰ھ ۵۳۵ھ

سنہ ۵۳۶ھ تا سنہ ۵۳۷ھ بتایا جاتا ہے اور سنہ ۵۳۷ھ کی جانب عام رجحان ہے لیکن ہمارے نزدیک باایں ہمہ سنہ ۵۳۶ھ صحیح و محقق ہے اور اس کی دو دلیلیں ہیں۔

(۱) یہ واقعہ مسلمہ ہے اور تذکروں کا متفق علیہ بیان ہے کہ حضرت اقدس آخر عمر میں متاہل ہوئے چنانچہ نکاح فرمانے کے وقت نوے سال کی عمر مبارک بتائی جاتی ہے جیساکہ عام تذکروں کا بیان ہے اور بعض تذکروں میں اسّی سال کی عمر شریف بھی بتائی گئی ہے۔

اسکے بعد یہ بھی اپنی جگہ ثابت ہے کہ عطائے رسول نے عہد التمشی میں اپنے فرزندان ارجمندان کے اصرار پر حصول فرمان معافی کے لئے دہلی کا سفر فرمایا چنانچہ کتاب سیر الاولیا اس طرح رقمطراز ہے۔

فرزندان شیخ الاسلام شیخ معین الدین سنجری را در حدود اجمیر دیہے احیا بود مقطعان بجہت مقرر داشت مزاحمت می نمودند فرزندان شیخ را برآں آوردند کہ در شہر برود از بادشاہ مقرر داشت بیارد و بضرورت خواجہ از اجمیر بدہلی آمد الخ	خواجہ بزرگ کے صاحبزادگان حدود اجمیر میں زراعت فرماتے تھے حاکمان مقررہ حصّہ کے لئے مزاحم ہوئے صاحبزادگان نے شیخ کو مجبور کیا کہ دہلی جاکر بادشاہ سے مقرر داشت لائیں اس ضرورت سے خواجہ بزرگ دہلی آئے۔

نیز اسی روایت کی تائید حضرت بندہ نواز گیسودراز کی زبانی ہوتی ہے

چنانچہ کتاب جوامع الکلم میں مرقوم ہے جو آپ کا ملفوظ ہے۔

خدمت شیخ الاسلام معین الدین از اجمیر آمدند شیخ قطب الدین شنید استقبال کرد چنانکہ مرید با پیر باشد ہیچ کم نکرد بعد از آنکہ در خانہ آمد عرضہ داشت کہ چہ سبب بود کہ حق تعالیٰ ایں شہر را بقدوم منور گردانید فرمودند یا بختیار من مزرعہ کردہ بودم آں مزرعہ استقامت گرفت مقطع فرمان می خواہد فرزندان مرا معذور نمیدارند جبر کردند ایں سو فرستادند تو از ما گاہے بیشتر بودی مارا راہے بنما۔

حضرت خواجہ بزرگ اجمیر سے دہلی تشریف لائے شیخ قطب الاقطاب نے سنا تو استقبال کیا اور جس طرح مرید کو خدمت پیر و مرشد میں ہونا چاہیئے ذرہ بھر کمی نہیں کی جب خواجہ بزرگ نے مکان میں قدم رنجہ فرمایا عرض کی کہ خدائے برتر نے کس سبب سے حضور کے قدوم سے اس شہر کو روشن کیا۔ فرمایا بابا بختیار میں نے کھیتی کی ہے اور وہ تیار ہو چکی حاکم فرمان طلب کرتا ہے۔ لڑکوں نے مجھے معذور نہیں چھوڑا۔ ادھر بھجوایا تم یہاں مجھ سے پہلے سے ہو مجھے کوئی تدبیر کار بتاؤ۔

القصہ حضرت قطب الاقطاب حضرت پیر و مرشد کی تعمیل ارشاد کے لئے دربار سلطانی میں تشریف لے گئے۔ اور اُسی وقت فرمان حاصل کر کے واپس حاضر خدمت ہوئے۔

چونکہ بندہ نواز گیسو دراز حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی رضی اللہ عنہ کے اعاظم خلفا سے ہیں اور ۸۲۵ھ میں رحلت فرمائی ہے اور کتاب سیر الاولیا

سنہ [illegible]ھ میں تالیف ہوئی ہے اسلئے یہ روایت خبر احاد کے مرتبہ میں نہیں رکھی جاسکتی پھر چونکہ رواۃ عدول و ثقات ہیں اسلئے اِس روایت کی صحت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر سن ولادت سنہ ۵۳۵ ہجری یا اسکے بعد کے دوسرے سنین میں سے کوئی سن صحیح تسلیم کرلیا جائے تو یہ واقعہ غلط قرار پاتا ہے۔

صراحت سے یوں سمجھنا چاہیے کہ سنہ ۵۳۵ھ سن ولادت ہے تو اس صورت میں حضرت خواجہ بزرگ کی عمر مبارک سنہ ۶۱۵ ہجری میں اسّی سال کی اور سنہ ۶۲۵ھ میں نوّے۹۰ سال کی ہوتی ہے۔ پس اب لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ سنہ ۶۱۶ھ یا سنہ ۶۲۶ھ میں حضرت خواجہ فخر الدین فرزند بزرگ تولد ہوئے گویا حضرت خواجہ فخر الدین خلف اکبر حضرت خواجہ بزرگ کا سن مبارک سن وفات حضرت خواجہ بزرگ یعنی سنہ ۶۳۲ھ میں سولہ۱۶ یا چھ۶ سال کا تھا۔ اب خیال کرنا چاہیے کہ چھ۶ برس کی عمر شریف میں کاشتکاری پھر حاکمان قصبہ کی مزاحمت اور حصول فرمان معافی پر اصرار۔ عقل سلیم کبھی اس واقعہ کو تسلیم نہیں کرتی۔ اگر عمر سولہ۱۶ سال کی لی جائے تو بھی قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا اسلئے کہ صرف حضرت خواجہ فخر الدین زراعت نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ کے بھائی بھی شریک حال تھے نیز واقعہ کا انداز اس کا شاہد ہے کہ اس کاشتکاری کو کچھ عرصہ بھی ہو چکا تھا۔ پھر یہ تو اسوقت ہی جبکہ سنہ ۵۳۵ھ سن ولادت تسلیم کیا جائے لیکن اگر سنہ ۵۳۷ھ سن ولادت صحیح مانا جائے جیسا کہ اکثر اس کی صحت کے قائل ہیں تو دو سال اور کم ہو جاتے ہیں۔

(۲) اسکے علاوہ تمام تذکروں سے یہ ثابت ہے کہ پیر و مرشد سے خلافت و
اجازت حاصل فرمانے کے وقت حضرت خواجہ بزرگ کی عمر شریف باون ۵۲ سال
کی تھی اب اگر ۵۳۵ھ میں ولادت تسلیم کی جائے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ
۵۸۷ھ میں خواجہ بزرگ اپنے پیر و مرشد سے مرخص ہوئے اب اگر معیاد سفر
لی جائے تو اس وقت حضرت خواجہ بزرگ کا عہد تھوڑا ہیں رونق افزائے اجمیر
ہونا غلط ہوتا ہے حالانکہ یہ قطعاً ثابت ہے۔

باہرحال ہمارے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ ۵۳۰ھ ہجری میں اپنے پیر سلسلہ شیخ
طریقت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الدین مودود چشتی کی رحلت کے تین سال بعد
خواجۂ بزرگ تولد ہوئے۔

این دانہ شود ہزار خوشہ — کو کشتۂ رحمتِ خدا زاد
این قطرہ شود ہزار چشمہ — کز چشمۂ فیض کبریا زاد
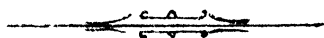
۵۳۰ھ کے حالات

خواجۂ بزرگ کی ولادت کا وہ زمانہ تھا جبکہ دنیائے
اسلام خانہ جنگیوں سے تباہ و برباد ہو رہی تھی۔ شاہان
اسلام آپس میں مصروف کارزار تھے مختلف مذاہب ملاحدہ وغیرہ اپنی فریب
آرائیوں سے لوگوں کو گمراہ بنا رہے تھے، فتنہ و فساد لوٹ مار کا بازار گرم تھا
جا بجا علمائے بغاوت بلند کئے جا رہے تھے۔

علامہ ابن خلدون کا بیان ہے کہ اسی سن میں سلطان مسعود و خلیفہ راشد کے لشکروں میں جدال و قتال ہوا اور بالآخر سلطان مسعود اک مستقل کامیابی کے ساتھ داخل بغداد ہوا اور خلیفہ راشد کو معزول کر کے ارکین دولت و مشیران سلطنت کی متفقہ رائے سے محمد ابن مستظہر کو خلیفہ بنایا اور المقتفی لامر اللہ کے لقب سے ملقب کیا

صاحب مراۃ الکونین کہتے ہیں کہ بنو عباس کے اس تیسویں تاجدار یعنی خلیفہ راشد پر سلطان مسعود نے فسق و فجور اور شرب خمر کی تہمت رکھکر علما سے فتوائے خلع خلافت حاصل کیا تھا چنانچہ راشد نے اس معزولی کے بعد ہمدان پہنچکر بہت کشت و خون کیا رعایا کا ملک و مال تاراج ہوا علما کو برسر دار کھینچا گیا۔ غرض یہ ثابت ہی کہ جس سنہ میں سرکار اقدس کی ولادت ہوئی بغداد خلیفہ المقتفی لامر اللہ کا پایۂ تخت تھا۔ ابن خلدون کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۵۳۰ھ میں مصر حافظ لدین اللہ حاکل خلافت علویہ کا دار السلطنت تھا۔

اسی زمانہ میں دولت غزنویہ غوریوں کے ہاتھ آئی چنانچہ مراۃ الکونین کے بیان سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ خواجہ بزرگ کی ولادت کے کچھ سال پہلے ارسلان شاہ جب سلطان سنجر کے حملہ کی تاب نہ لاسکا تو بخوف جان بھاگ کر غزنی سے ہندوستان چلا آیا اور یہیں وفات پائی۔ سلطان سنجر نے شہر غزنی کو لوٹ کر تباہ و برباد کر دیا اور تخت سلطنت پر بہرام شاہ کو بٹھایا بہرام شاہ نے تخت نشینی کے دوسرے ہی سال ہندوستان کا رخ کیا اور باسلیم شاہ کو

ہندوستان کی حکومت سپرد کر کے واپس ہوگیا۔
بابا سلیم نے اجمیر دنا گور وغیرہ کی فتح کے بعد غزنوی "خراسانی" "خلجی" سپاہیوں کا ایک جرار لشکر مرتب کیا اور بغاوت پر آمادہ ہوگیا، بہرام شاہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو غزنی سے خود بدولت نے اس جانب رخ کیا اور بابا سلیم شاہ کو کافی سزا دی اس مرتبہ ہندوستان کی حکومت سالار حسین علوی کو تفویض کر کے غزنی واپس ہوگیا جیسے ہی یہ غزنی پہونچا تو غوریوں سے مقابلہ کرنا پڑا اور اس جنگ میں ہزیمت اٹھائی اور واپس ہندوستان میں چلا آیا سلطان علاؤالدین غوری نے اس فتحیابی کے بعد قتل عام کا حکم دیا ایک ہفتہ تک کشت و خون کی گرم بازاری رہی محلات شاہی "عمارات سلطانی" برباد ہوگئیں شہر غزنی نذر تاراج ہوگیا سلطان محمود سلطان مسعود کی قبروں کے سوائے تمام سلاطین کی قبریں کھود ڈالی گئیں یہانتک کہ اُن کی ہڈیاں بھی نذر آتش کر دی گئیں بہرام شاہ نے ۵۴۲ھ میں انتقال کیا۔ اور اسکے بعد اسکا بیٹا خسرو شاہ غزنی سے ہندوستانمیں آیا اور لاہور کا مالک ہوا جیسا کہ داستان ترکتازان ہند کا بیان ہے ہمارے خیال میں کسی تاریخ سے یہ نہیں ثابت کیا جا سکتا کہ سلطان شہاب الدین غوری کے عہد سلطنت سے پہلے شاہان اِسلام نے تمام ہندوستان پر بالاستقلال کبھی حکومت کی ہے پس فتح و شکست کی یہ متضاد و متباین کیفیتیں عارضی تھیں اور نقش بر آب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھی تھیں بلکہ یہ بھی دنیا کی تلون مزاجی اور انقلاب عالم کا

ایک ادنی کرشمہ تھا۔

نسب | تاریخ عرب کے مطالعہ سے یہ حقیقت بے نقاب نظر آتی ہی کہ علم انساب اہل عرب کے نزدیک ایام جاہلیت سے لیکر عہد نبوت اور زمانہ خلافت تک ایک مستقل حیثیت رکھتا تھا لیکن یہ کسی کتابی صورت میں نہیں بلکہ اس علم کے ماہرین اور واقفین کی زبان پر اس کی صحت وعدم صحت کا دار ومدار تھا اور یہی وجہ تھی کہ اُن کی زبانی روایات انساب رجال کے لئے ایک مابہ الاعتماد وسند ہوتی تھیں۔ ایام طفلی اور لڑکپن کے زمانہ میں بچوں کو اُن کے آبا واجداد کے نام یاد کرائے جاتے تھے تاکہ انھیں اپنی نسبی حالت سے واقفیت ہو اسی طرح عرب کے مختلف قبائل کے سلسلہ نسب کی انھیں تعلیم دی جاتی تھی تاکہ وہ اپنے اغیار واحباب کی نسبی حالت سے بھی ناواقف نہ رہیں چنانچہ بیشتر صحابہ کی نسبت مشہور ہی کہ انھیں علم انساب میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔

لیکن عجمیوں نے اس جانب کبھی التفات نہیں کیا چنانچہ یہی وجہ ہی کہ آج اولوالعزم شخصیتوں کے سلسلۂ نسب میں کچھہ نہ کچھہ اختلاف ضرور ہی بالفرض کوئی سلسلۂ نسب آج اگر بہ ترتیب قائم ہی تو سمجھہ لینا چاہئے کہ اُن لوگوں کو جنکے ہاتھوں سے یہ لڑی پڑی گئی ہے علم انساب سے پوری دلچسپی تھی اور انھیں اپنے نسبی سلسلہ کو برقرار رکھنے کا پورا خیال تھا لیکن یہ ایک ایسی مثال ہی جسے دنیا شذوذ وندرت کیساتھ پیش کرتی ہی یہی وجہ ہی کہ آج نائب النبی کے نسب نامہ میں بھی ایک گونہ اختلاف موجود ہی جیسا کہ نقشہ

ذیل سے واضح ہوتا ہے -

درۃ التاج کن فکان نسبش				قرۃ العین انس وجان لقبش			
تذکرۃ الانساب	مرآۃ الانساب	خزینۃ الاصفیا	روائح المصطفےٰ	اقتباس الانوار	قلمی اخبار الاخیار کے حاشیہ پر نوشتہ ۱۱۲۳ھ	قلمی اخبار الاخیار کے حاشیہ پر نوشتہ ۱۱۲۳ھ	وقائع شاہ معین الدین حسینی
خواجہ غیاث الدین حسن	خواجہ غیاث الدین حسن	خواجہ غیاث الدین حسن	خواجہ غیاث الدین حسن	خواجہ غیاث الدین حسن	خواجہ غیاث الدین حسن	خواجہ غیاث الدین حسن	خواجہ غیاث الدین حسن
خواجہ کمال الدین طاہر	خواجہ کمال الدین	خواجہ کمال الدین	خواجہ احمد حسین	کمال الدین سید احمد حسین	خواجہ حسن احمد	خواجہ محمد طاہر	خواجہ احمد حسن
خواجہ عبدالعزیز طاہر	خواجہ احمد حسین	خواجہ احمد حسین	خواجہ سید حسین	خواجہ طاہر	خواجہ نجم الدین	خواجہ غیاث اللہ	خواجہ حسین احمد
خواجہ ابراہیم	خواجہ نجم الدین طاہر	خواجہ طاہر	خواجہ حسین احمد	خواجہ عبدالعزیز	خواجہ طاہر حسن	خواجہ عبدالعزیز	خواجہ نجم الدین طاہر
خواجہ الیاس	خواجہ عبدالعزیز	خواجہ عبدالعزیز	خواجہ نجم الدین طاہر	خواجہ ابراہیم	خواجہ عبدالعزیز	خواجہ ابراہیم	خواجہ عبدالعزیز حسین
خواجہ ادریس	خواجہ ابراہیم	خواجہ ابراہیم	خواجہ عبدالعزیز حسین	امام علی رضا	خواجہ ابراہیم	عبداللہ حسن العسکری	امام محمد مہدی
امام موسیٰ کاظم	خواجہ ادریس	امام علی رضا	امام محمد مہدی	امام موسیٰ کاظم	خواجہ ادریس	امام نقی	امام حسن عسکری
	امام موسیٰ کاظم	امام موسیٰ کاظم	امام حسن عسکری		امام موسیٰ کاظم	امام تقی	امام نقی
			امام نقی			امام علی رضا	امام تقی
			امام تقی			امام موسیٰ کاظم	امام علی رضا
			امام علی رضا				امام موسیٰ کاظم
			امام موسیٰ کاظم				

مندرجہ بالا نقشہ سے اختلافات کی حقیقت آشکارا ہوتی ہے۔ کتاب تذکرۃ المعین میں بحوالہ سیر العارفین جو نسب نامہ مرقوم ہے وہ بھی اپنے اعتبار سے سب سے مختلف ہے لیکن اس اختلاف نامہ میں ہمنے اسلئے اُسے شامل نہیں کیا کہ کتاب سیر العارفین میں کوئی نسب نامہ درج نہیں ہے پس یہ حوالہ غلط ہے بہرحال اب یہ مسئلہ ضرور باقی ہے کہ ان تمام نسب ناموں میں کس کتاب نے صحیح نسب بیان کیا ہے فی الحال ہم اسپر تاریخی اصول سے بحث نہیں کرسکتے۔ مختصر یہ ہے کہ کتاب مراۃ الانساب نے صحیح سلسلۂ نسب بیان کیا ہے اور عام طور سے بکثرت اِس جانب رجحان ہے، اور تمام تذکروں سے آپ کا ساداتِ حسینی سے ہونا ثابت ہے۔

خواجۂ بزرگ کے اسلاف کرام کے متعلق اسوقت تک ہمیں کوئی ذاتی علم نہیں ہے اور نہ کسی تذکرے میں اِس مسئلہ پر صراحت کی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایسی حالت میں ہماری خاموشی بھی بجائے خود ایک اعتذار ہے۔

سفر خراسان ۵۴۰ھ

ولادت خواجہ بزرگ کے کچھ عرصہ بعد ہی آپ کے والد ماجد خواجہ غیاث الدین حسن نے خراسان کا سفر فرمایا اور وہیں اقامت فرمائی یہی وجہ ہے کہ آج سب تذکرے بیک زبان اسکے قائل ہیں کہ خواجہ بزرگ نے خراسان میں پرورش پائی اور نشو و نما حاصل کی۔

والدین کی وفات ۵۴۵ھ

۵۴۵ھ میں جبکہ خواجہ بزرگ کو پندرہواں سال تھا آپ کے والد ماجد نے وصال فرمایا۔

دریا بکنارہ دگرے رفت و گہر ماند

اِس واقعہ کے کچھ قبل یا بعد آپ کی والدہ محترمہ اُم الورع ماہِ نور رضی اللہ عنہا نے رحلت فرمائی۔ تعجب ہی کہ جس طرح اس درِ یتیم کے اسلاف کرام کے حالات گوشۂ گمنامی میں ہیں اسی طرح یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ حضور اقدس کے اور بہن بھائی بھی تھے یا آپ اپنے والد ماجد کے تنہا فرزند ارجمند تھے۔ بعض تذکروں میں تحریر ہی کہ خواجہ بزرگ کے دو برادران حقیقی تھے لیکن اس سے زیادہ کوئی وضاحت موجود نہیں

باغبانی ۵۴۰ھ

جلوۂ سروِ قدِ او باغبانی می کند
نخلِ پیراہن از و میلِ جوانی میکند

ورثۂ پدری سے ایک باغ بھی آپ کے حصّہ میں آیا۔ چنانچہ آپ نے کسب حلال کے لئے باغبانی اختیار فرمائی اور کسی وقت بھی اِسے عار نہیں سمجھا۔ لیکن مشیت الٰہی کا تقاضہ تھا کہ وہ زمانہ قریب ہے جب اس باغبان حقیقی کا سنگ آستانہ صاحب تخت و تاج سلاطین کی جبین نیاز کا سجدہ گاہ ہوگا۔

ابراہیم قندوزی کی ملاقات ۵۴۵ھ

خوباں چو ہم گرمی بازار فروشند
باہم بہ نشینند و خریدار فروشند

۵۴۵ھ کا واقعہ ہے کہ خواجہ بزرگ درختوں میں آبپاشی فرما رہے تھے کہ اِسی اثناء میں ایک صاحب جذب کا اُس جانب گزر ہوا۔ یہ دیکھکر اخلاق نبوی کا یہ پیکر مجسم بڑھا اور درویش آیندہ کی مدارات فرمائی۔ اپنے باغ سے

کچھ ہدیہ پیشکش کیا درویش موصوف نے اپنی کشکول سے کھل کا ٹکڑا نکالکر معاوضہ
کیا اور سرکار والاتبار نے اُسے رد نہیں فرمایا۔

ترک دنیا ۵۴۵ھ

ترکِ جان و ترکِ مال و ترکِ سر
در طریقِ عشق اوّل منزل است

کچھ تو والدین ماجدین کی مفارقت کا صدمہ، کچھ زمانہ کے عبرتناک مناظر کا نظارہ
آپ کے لئے خود اک درس حقیقت تھا۔ اب اک تارک دنیا کی ملاقات غرض یہ
تمام صورتیں ایسی موثر ثابت ہوئیں کہ دنیا سے دل سرد ہو گیا اور سرکار والا نے
قطعی فیصلہ کر لیا کہ دنیا گزشتنی و گزاشتنی ہے فطرت انسانی اور آفرینش عالم کا مقصد
اصلی یہ نہیں ہے کہ انسان خور و خواب میں بسر کر دے بلکہ اصل حقیقت کچھ اور ہے
یہ خیال اس طرح دل میں آیا کہ راسخ ہو گیا اور فوراً ہی تمام نقد و جنس اور مال و متاع
بذلِ درویشاں فرما کے تحصیل علوم کی جانب توجہ فرمائی کہ "بے علم نتواں خدارا شناخت"

سمرقند و بخارا میں تحصیل علم ۵۴۵ھ

نگارِ ما کہ بمکتب نرفت و خط نہ نوشت
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

تذکرہ نگار اس باب میں بالکل خاموش و مُہر بلب ہیں کہ
خواجہ بزرگ نے کتنے عرصہ تک کہاں کہاں کن کن اساتذہ سے تحصیل علوم فرمائی
ہاں تذکروں کے مطالعہ سے یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ ایک عرصہ تک سمرقند و بخارا
میں رہ کر قرآن پاک حفظ کیا اور علوم درسیہ کا اکتساب فرمایا ترتیب سنین جو ہمارے

نزدیک معتبر ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خواجۂ بزرگ نے سترہ سال تحصیل علوم و فنون میں صرف فرمائے۔

سفر بغداد و بیعت ۵۶۲ھ

سمرقند و بخارا کا یہ قیام صرف تحصیل علوم کے لئے تھا تکمیل درس کے بعد ہوسکتا تھا کہ مسند درس وارشاد پر جلوس فرماکر طالبان علوم کو سرچشمۂ فیضان سے سیراب فرمایا جاتا لیکن خواجۂ بزرگ نے سمجھ لیا۔

ہیچ کار کتب خوانیت نمے آید
زجمع خاطر خود نسخۂ فراہم کن

یہ سوچ کر معرفت الٰہی کی تحصیل کے لئے عارف حقیقی کی تلاش ہوئی۔ مخدوم عالم و عالمیان خواجۂ خواجگان خواجہ عثمان ہرونی کی عالمگیر شہرت نے آپ کو متاثر کیا اور بالآخر ۵۶۲ھ میں آپ نے سفر فرمایا۔

اے سرو ناز حسن کہ خوش میروی بناز — عشاق رابناز تو ہر لحظہ صد نیاز
فرخندہ باد طالع نازت کہ در ازل — ببریدہ اند برقد سروت قبائے ناز

طے مسافت اور قطع مراحل کے بعد بغداد میں حضرت خواجہ عثمان ہرونی کا شرف خدمت حاصل فرمایا۔ اسوقت بغداد خلیفہ مستنجد کا دارالسلطنت تھا حضرت غوث الاعظم کو وصال فرمائے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔

تاریخ فرشتہ وغیرہ بعض کتب میں میعاد خدمت پیر و مرشد صرف اڑھائی سال

بتائی گئی ہے۔ عام تذکروں کا بیان ہے کہ حضرت اقدس بیس[2] سال خدمت پیرو مرشد میں رہے۔ ہمارے نزدیک مدت بست سالہ تحقیق و ثابت ہے اور اثبات مدعا کے لئے کتاب سیر الاولیا کی اس روایت کا حوالہ کافی ہے۔

منقول است کہ شیخ الاسلام معین الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز می فرمود کہ چوں من بخدمت خواجہ عثمان ہرونی پیوستم و بشرفِ ارادت آن بزرگ مشرف شدم بست سال ملازم خدمت ایشاں بودم چنانکہ یک ساعت نفس را از خدمت آں بزرگ راحت ندادم و در سفر جامۂ خواب خواجہ من می بردم چوں رسوخ خدمت من باعتقاد کرد آنگاہ نعمتے کہ از کمال خواجہ اقتضا کرد در حق من کرم فرمود۔

حضرت خواجہ بزرگ سے منقول ہے آپ فرماتے تھے کہ جب میں خواجہ عثمان ہرونی کی خدمت میں حاضر ہوا اور شرف بعیت حاصل کیا بیس سال خدمت اقدس میں ملازم رہا۔ گھڑی بھر اپنے نفس کو آنجناب کی خدمت سے آرام نہ دیا سفر میں پیرو مرشد کا بستر میں لیجاتا تھا۔ جب میری معتقدانہ خدمت کا ملاحظہ فرمایا تو پیرو مرشد نے اپنے کمال سے مجھے نعمت عطا فرمائی۔

لیکن افسوس ہے کہ تفصیلی حالات نہیں معلوم ہوتے البتہ تذکروں کے بیانات اس کی گواہی دیتے ہیں کہ خواجہ بزرگ نے پیرو مرشد کی معیت میں ایک مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت فرمائی اور بیس[2] سال تک سفر و حضر میں پیرو مرشد کا دامان کرم نہیں چھوڑا۔

خرقۂ خلافت ۵۸۲ھ

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

کامل بیس سال کی خدمت کے بعد ۵۸۲ھ مطابق ۱۱۸۶ء میں خرقہ خلافت زیب تن فرمایا اور پیر و مرشد سے رخصت و اجازت نصیب ہوئی اسوقت سن مبارک باون سال کا تھا جیساکہ عام تذکرہ نویسوں کا بیان ہے۔

اِسی سنہ میں شہاب الدین غوری کی ساتویں یورش ہندوستان پر ہوئی اور شہاب الدین غوری نے خاندان غزنویہ کے آخری تاجدار خسرو ملک کو دھوکا دیکر لاہور پر تسلط حاصل کیا اور اب چراغ دودۂ غزنی ہندوستان میں بھی گل ہوگیا

سفر اور عزم ہند ۵۸۲ھ

جب بتقریب سفر یار نے محمل باندھا
تپش شوق نے ہر ذرہ پہ اک دل باندھا

پیر و مرشد سے رخصت ہو کر حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے، پھر ہرون اور بغداد میں نزول اجلال فرمایا اسوقت خلیفہ مستنجد کے پوتے ناصرلدین اللہ حکمران بغداد تھے۔ اس سفر میں نجم الدین کبریٰ سے ملاقات فرمائی پھر ہمدان کا سفر فرمایا شیخ ابو یوسف ہمدانی سے ملاقات فرمائی یہاں سے تبریز پہنچکر حضرت ابو سعید تبریزی کی ہمنشینی فرمائی اب اصفہان و خرقان و استرآباد و ہرات و سبزوار و بلخ میں قدم رنجہ فرمایا شیخ محمد یادگار سبزواری اور مولانا ضیاء الدین بلخی کو اپنے چشمۂ فیضان سے سیراب فرمایا۔ اب غزنیں میں وارد ہوئے اور یہاں سے

بارادہ ہندوستان لاہور کی جانب رُخ فرمایا۔ اس پورے سفر میں خواجہ بزرگ نے بیشتر صلحائے اُمت اور اکثر مشائخ طریقت سے ملاقاتیں فرمائیں اور فی الحال ہمنے اختصاراً کچھ بزرگوں کے اسمائے گرامی سپرد قلم کئے ہیں۔

ورود ہند ۵۸۶ھ

علیٰ قدر اهل العزم تاتی العزائم
وتاتی علیٰ قدر الکرام المکارم

اگرچہ ہندوستان میں خواجہ بزرگ سے پہلے اکثر صلحائے اُمت و مشائخ طریقت کا ورود ہو چکا تھا اور شیخ یوسف ملتانی، شیخ ابوالحسن علی، شیخ فخرالدین زنجانی بابا حاجی نصر ہندی، وغیرہم جیسے بزرگانِ سلف سرزمین ہند کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرما چکے تھے لیکن یہ بالکل صحیح واقعہ ہے کہ ان بزرگوں نے ہندوستان کے سرحدی مقامات سے کسی وقت بھی قدم آگے نہیں بڑھایا اور ہمیشہ ان ہی شہروں میں سکونت و اقامت فرمائی جہاں اسلامی اثر قائم ہو چکا تھا لیکن خانوادہ چشت کے اس شہنشاہ اعظم نے جب ہندوستان کا رُخ فرمایا تو لاہور میں کچھ عرصہ قیام کیا اور وہاں کے مشائخ سے ملاقات فرماتے ہوئے دہلی کی جانب قدم رنجہ فرمایا اور بعد ازاں خاک اجمیر کو دولت و سعادت پابوسی بخشی۔ دہلی و اجمیر وغیرہ مقامات اسوقت اسلامی اثر سے محروم تھے اور یہانتک آفتاب توحید کی روشنی نہیں پہنچی تھی اسلئے شرک و کفر کی عام تاریکی ہر طرف چھائی ہوئی تھی۔

ورود خواجۂ بزرگ سے پہلے ان مقامات پر جب کبھی اسلامی قبضہ اور تسلط ہوا اُس نے کبھی استقلال حاصل نہیں کیا۔ پس ایسی حالت میں وجود و عدم دونوں مساوی الحیثیت ہیں۔

ورود اجمیر ۵۸۹ھ

خواجہ خواجگان معین الدین
اشرف اولیائے روئے زمین

اس قطب مدار اور غوث اعظم کا شمار اسلام کے اُن مبلغین سابقین میں ہی جن کی زبانیں اعلائے کلمۃ الحق سے تہ تیغ بھی خاموش نہوئیں۔ جن کی مستقل خیالی اور ہمت عالی کا سکّہ دنیا کی دوسری قوموں میں آج بھی رائج ہے جن کی جلال و جبروت کی دہاک نے صاحبِ تخت و تاج حکمرانوں کے دل ہلا دیے۔ چنانچہ اس نائب النبی نے رائے پتھورا کے خاص دارالسلطنت اجمیر میں اقامت گزینی فرمائی اور جہاد بلسانہ کے فرض منصبی کو نہایت استقلال و مضبوطی کے ساتھ کامیاب طریقہ پر انجام دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا آج اِس وارثِ خاتم المرسلین کو سلطان الہند کہکر پکارتی ہے اور تبلیغ فی الہند کی اولیت کا تاج آج اسی مقدس و بزرگ شہنشاہ کے سر پر نظر آتا ہی وذلك فضل الله یوتیه من یشاء۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بعض غلط نگار تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ خواجہ بزرگ نے عہد قطب الدین ایبک میں اجمیر کو شرف اقامت خود بدولت بخشا کہ جیسا کتاب سیر العارفین جیسے قدیم تذکرہ میں بھی مولانا جمالی تحریر فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں سلطان شہاب الدین غوری اجمیر فتح کرکے واپس ہوئے اُسوقت خواجہ بزرگ لاہور سے روانہ ہوئے۔ ہمارے لئے فی الحال یہ بتانا ضروری نہیں کہ مولنا جمالی کے قلم سے یہ لغزش کس لئے ہوئی ہے اور اُنھوں نے اس غلط بیانی میں کیا مفاد سمجھا تھا البتہ اثبات مدعا کے لئے کتاب سیر الاولیا کی روایت نقل کی جاتی ہے جو سیر العارفین سے سو سال پیشتر کی تصنیف ہے۔

حضرت سلطان المشائخ می فرمودند چوں حضرت شیخ معین الدین طاب اللہ مضجعہ در اجمیر آمد پھورا رائے مملکت ہند در اجمیر بود چوں شیخ در اجمیر سکونت ساخت پھورا و مقربان او را دشوار می آمد چون عظمت و کرامت شیخ معائنہ می کردند مجال دم زدن نبود الغرض مسلمانے از پیوستگان شیخ معین الدین قدس اللہ سرہ العزیز

حضرت سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جب خواجہ بزرگ اجمیر تشریف لائے اُس وقت پھورا بادشاہ ہندوستان اجمیر میں رہتا تھا جب شیخ نے اجمیر میں سکونت اختیار کی پھورا کو ناگوار گذرا مگر شیخ کے عظمت و جلال کے مقابلہ میں دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ الغرض ایک مسلمان وابستگان شیخ سے پھورا کے یہاں تھا پھورا نے اُسکو نقصان

برپھورا می بود پھورا آں مسلمان را
بسے مضرت رسانیدی گرفت آں مسلمان
التجا بخدمت شیخ معین الدین کرد شیخ
درباب او برپھورا بشفاعت سخنے
گفت پھورا فرمان شیخ قبول نکرد و
گفت ایں مرد اینجا آمدہ است ونشستہ
سخنان غیب می گوید چوں ایں سخن
بسمع مبارک آں بادشاہ اسلام
رسانیدند بلفظ مبارک اورفت کہ
ما پھورا را زندہ گرفتیم و ادیم بلشکر
اسلام ہمدراں ایام لشکر معزالدین سام
انار اللہ برہانہ از غزنی رسید و پھورا
مقابل لشکر اسلام شد و بدست سلطان
زندہ افتاد۔

پہنچانا شروع کیا اُس مرد مسلمان
نے خدمت میں التماس کی سرکار نے
پھورا سے اُس کی سفارش کی پھورا
نے فرمان شیخ قبول نہیں کیا اور
کہا یہ شخص یہاں آکر بیٹھا ہوا غیب کی
باتیں بیان کرتا ہے۔جب یہ بات
گوش مبارک تک پہونچی تو اُس
بادشاہ اسلام نے فرمایا کہ ہم نے
پھورا کو زندہ گرفتار کرکے لشکر اسلام
کے حوالہ کردیا ان ہی دنوں معزالدین
سام کا لشکر غزنین سے ہندوستان
پہنچا پھورا نے لشکر اسلام کا مقابلہ
کیا اور سلطان موصوف کے ہاتھ میں
زندہ گرفتار ہوا۔

اس روایت کو نقل کردینے کے بعد یہ تسلیم کرلینا ایک لازمی امر ہے کہ حضور
اقدس نے عہد پھورا میں اپنے پرتو جمال سے اجمیر کو منور فرمایا۔

اجمیر میں روشن وہ چراغ مدنی ہے
جلوہ سے عیاں جسکے جلال حسنی ہے (میر آحدی)

رہا یہ مسئلہ کہ صاحب تاریخ فرشتہ وغیرہ اسکے قائل ہیں کہ ۵۶۱ھ میں سرکار والا تبار نے اجمیر میں تشریف ارزانی فرمائی لیکن ہمارے نزدیک سن اسلئے سن ورود نہیں ہوسکتا ہے کہ یہ کسی کتاب سے ثابت نہیں ہوتا کہ جسوقت شہاب الدین غوری نے پتھورا پر چڑھائی کی اور ناکامیاب ہوا اسوقت سرکار والا تبار اجمیر میں تشریف فرما تھے اسکے علاوہ روایت معتبرہ ہے کہ خواجہ بزرگ پندرہ برس میں یتیم ہوئے۔ اور بیس۲۰ سال خدمت پیر و مرشد میں رہے پھر باون۵۲ سال کی عمر میں پیر و مرشد سے رخصت ہونے کی روایت محقق ہے پس ایسی حالت میں تاریخ فرشتہ کی روایت قطعاً غلط ہے۔

چونکہ درحقیقت سنہ ورود اجمیر ۵۸۹ھ تھا اور فتح اجمیر سرکار والا تبار کی تشریف آوری کے کچھ دن بعد ہی عمل میں آئی اسلئے بعض تذکرہ نویسوں کو یہ دھوکا ہوگیا کہ حضور اقدس عہد قطب الدین ایبک میں تشریف لائے اسلئے کہ سنہ ورود خواجہ بزرگ اور سنہ جلوس قطب الدین ایبک میں کچھ زیادہ بعد نہیں ورنہ بصورت دیگر یہ غلط بیانی کبھی معرض تحریر میں نہیں آتی اس لئے کہ کہاں ۵۶۱ھ اور کہاں ۵۹۱ھ گویا اس وقت تیس۳۰ سال کا فرق ہے۔

ہندوستان اور شاہان اسلام

کتب تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا

ہے کہ شاہان اسلام نے کس کس وقت ہندوستان پر حملے کئے لیکن چونکہ ہمیں اختصار مدنظر ہے اسلئے فی الحال ایک اجمالی فہرست پیش کی جاتی ہے اگر خدا نے چاہا تو کسی وقت شرح و بسط کے ساتھ بیان کرینگے۔

تاریخ مالوہ کا بیان ہے کہ شاہان ایران و توران اور ملوک تاتار وغیرہ غیر ملکوں کے بادشاہوں نے سترہ سو ایک مرتبہ ہندوستان پر یورشیں کیں اور مختلف زمانوں میں سرزمین ہند کے فرماں روا کہلائے لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کل ہندوستان ان کے زیرنگیں رہا ہو، پچھم، پورب، شمال پر تاخت ہوتی رہی اور وسط ہند میں کبھی ان کا قدم نہیں آیا اور خصوصیت کے ساتھ باشندگان دکن ہمیشہ مامون و مصئون رہے۔

صاحب مراۃ الکونین کا بیان ہے کہ ۲۳ھ میں امیرالمومنین امام المسلمین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر ہندوستان کی جانب بھیجا، یہ لوگ سندھ تک آئے اور جہاد کر کے واپس ہو گئے ان کی فتح و شکست میں مورخین کو اختلاف ہے۔

اسکے بعد ۴۳ھ میں مہلب ابی الاصفر مرو کی راہ سے کابل ہوتے ہوئے آئے راجگان کے ساتھ محاربات کر کے مظفر و منصور خراسان واپس ہو گئے۔

مصنف داستان ترکتازان ہند رقمطراز ہے کہ ۴۴ھ مطابق ۶۶۴ھ میں عبدالرحمن بن سمرہ خراسان سے نکلا اور کابل میں بارہ ہزار آدمیوں کو

مسلمان بناکر اسی راستہ سے ملتان پر چڑہائی کی۔

سنہ ۹۳ھ سنہ ۷۱۱ء خاندانِ بنو اُمیہ کے چھٹے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ خلافت میں محمد قاسم نے سندھ پر حملہ کیا۔

سنہ ۱۴۳ھ سنہ ۷۶۰ء میں سرحد ہندوستان پر افغانیوں کا حملہ ہوا راجہ لاہور سے جو راجہ اجمیر کا رشتہ دار تھا لڑائی ہوئی۔

سنہ ۳۶۷ھ سنہ ۹۷۷ء میں سلطان سبکتگین نے ہندوستان پر لشکر کشی کی اور جابجا مسجدیں تعمیر کیں۔

سنہ ۳۹۰ھ سنہ ۹۹۹ء سے لیکر سنہ ۴۱۷ھ سنہ ۱۰۲۶ء تک محمود غزنوی نے سترہ یورشیں ہندوستان پر کیں۔

سنہ ۴۲۴ھ سنہ ۱۰۳۳ء میں سلطان مسعود نے ہندوستان کی جانب چڑہائی کی۔

مراۃ الکونین میں مرقوم ہے کہ سنہ ۴۷۲ھ میں سلطان ابراہیم ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور قلعہ اجودھن فتح کیا۔

داستان ترکتازان ہند میں تحریر ہے کہ سنہ ۵۰۵ھ سنہ ۱۱۱۱ء کے بعد متعدد بار بہرام شاہ نے ہندوستان پر حملے کئے۔

مراۃ الکونین کا بیان ہے کہ سنہ ۵۴۷ھ سنہ ۱۱۵۲ء میں بہرام شاہ نے انتقال کیا باپ کے انتقال کے بعد خسرو شاہ نے تخت لاہور پر جلوس کیا۔

داستان ترکتازان ہند واقعہ نگار ہے کہ سنہ ۵۵۵ھ سنہ ۱۱۶۰ء میں خسرو

ملک تخت نشین غزنی ہوا۔

صاحب مراۃ الکونین رقمطراز ہے کہ خسرو ملک نے ہندوستان میں آکر متعدد قلعے فتح کئے۔

اب شہاب الدین غوری کے حملے شروع ہوئے۔ داستان ترکتازان ہند کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شہاب الدین غوری نے گیارہ مرتبہ ہندوستان پر چڑھائی کی جسکی تفصیل یہ ہے۔

سنہ ۵۷۲ھ سنہ ۱۱۷۶ء میں شہاب الدین غوری نے اوچ و ملتان کو فتح کیا۔

سنہ ۵۷۴ھ سنہ ۱۱۷۹ء میں دو برس کے بعد پھر ملتان و اوچ پہنچا اور ریگستانی راستہ سے گجرات پر حملہ کیا راۓ بھیم دیو والی گجرات سے مقابلہ ہوا اور شہاب الدین غوری شکست کھا کر غزنیں واپس ہو گیا۔

سنہ ۵۷۵ھ سنہ ۱۱۷۹ء میں پشاور پر چڑھائی کی اور عمائدین سلطنت میں کسی کو حاکم پشاور بنا کے غزنیں واپس ہو گیا۔

سنہ ۵۷۶ھ سنہ ۱۱۸۰ء میں لاہور پر چڑھائی کی۔

سنہ ۵۷۷ھ سنہ ۱۱۸۱ء میں سندھ پر حملہ کیا۔

سنہ ۵۸۰ھ سنہ ۱۱۸۴ء میں پھر لاہور کا رُخ کیا اور خسرو ملک کو شکست دی۔

سنہ ۵۸۲ھ سنہ ۱۱۸۶ء میں لاہور پر حملہ آور ہوا اور چراغ خاندانِ غزنویہ کو گل کر دیا۔

۵۸۷ھ ۱۱۹۱ء میں راجہ پرتھی راج سے لڑائی ہوئی کرنال و تھانیسر کے درمیان معرکہ کارزار گرم ہوا لیکن شہاب الدین بے نیل مرام واپس ہوا۔
۵۸۹ھ ۱۱۹۳ء پرتھی راج سے پھر مقابلہ ہوا اور اسوقت اسلامی لشکر کو فتح و نصرت نصیب ہوئی۔

مولانا عبدالحلیم شرر نے اپنے تاریخی ناول ذوالنجم میں شہاب الدین غوری اور ہمارے سرکار اقدس کی ملاقات کے لئے لکھا ہے لیکن ہماری نظر سے کسی قدیم و جدید کتاب میں یہ واقعہ نہیں گزرا لیکن اس کی صحت ایک امکانی حیثیت ضرور رکھتی ہے بہرحال اسکے متعلق ہم اسوقت کچھ نہیں کہہ سکتے۔
۵۹۱ھ اور ۵۹۲ھ میں شہاب الدین غوری نے دو مرتبہ نبرد آزمائی کی شاہ قنوج کو شکست دی اور گوالیار وغیرہ فتح کیا۔

سفر دہلی ۶۱۰ھ و ۶۲۳ھ

سلطان قطب الدین ایبک اور سلطان شمس الدین کا عہد حکومت خواجہ بزرگ نے بخوبی دیکھا ہے یہ دونوں شاہان دہلی حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب کی خدمت میں فرط عقیدت اور تعلق بیعت رکھتے تھے چنانچہ عہد التمش میں دو مرتبہ حضور اقدس دہلی تشریف لے گئے۔ سفر دہلی کے مفصل واقعات تفصیلی روداد میں بیان کئے جائیں گے۔

نکاح سنہ ۱۱۶۰ھ فرمانِ رسالت کے مطابق خواجہ بزرگ نے دو نکاح فرمائے دونوں نکاحوں کا واقعہ انتقادات کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے اسوقت صرف یہ بتانا ہے کہ عقد کے وقت سن شریف کیا تھا۔ عام تذکرے تو اسکے قائل ہیں کہ نوّے سال کی عمر میں آپ نے عقد فرمایا لیکن ہمارے نزدیک یہ روایت صحیح و معتبر ہے کہ اسّی سال کی عمر میں خواجہ بزرگ نے دونوں عقد فرمائے۔

وصال سنہ ۶۳۲ھ سن وصال معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے اس کا قطعی فیصلہ کر لینا ضروری ہے کہ آیا حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب نے پہلے وصال فرمایا یا خواجہ بزرگ پہلے واصل بحق ہوئے۔

کتاب اخبار الاخیار کی ایک روایت نیز تمام تذکرے اس میں متفق ہیں کہ خواجہ قطب الاقطاب نے وصال خواجۂ بزرگ کے بعد وصال فرمایا اور کسی تذکرے کسی تاریخ سے واقعہ اسکے برعکس نہیں ثابت ہوتا لیکن حاشیہ سیرالاولیا پر جو روایت مرقوم ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ قطب نے خواجہ بزرگ سے پہلے وصال فرمایا چنانچہ واقعہ سفر دہلی میں حضرت محبوب الٰہی کی زبانی حضرت خواجۂ بزرگ اور شیخ نجم الدین صغریٰ کی ملاقات کا جو حال درج ہے اُسکے متعلقہ حاشیۂ سیرالاولیا پر یہ روایت مرقوم ہے۔

خواجہ بزرگ اجمیر روانہ ہوئے	شیخ معین الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز

در سوئے اجمیر رواں شد ہنوز شیخ معین الدین در اجمیر نرسیدہ بود کہ شیخ قطب الدین بختیار در شہر برحمت حق پیوست۔	ابھی آپ اجمیر نہ پہنچے تھے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کا دہلی میں وصال ہوگیا۔

سیر الاولیا کی یہ روایت مشکوک و مشتبہ ہے اسلئے کہ حاشیہ پر تحریر کیگئی اصل کتاب کی عبارت حضرت محبوب الٰہی کی روایت ہے اور اس روایت کے متعلق کوئی صراحت نہیں یہ تو یقینی امر ہے کہ یہ قول حضرت محبوب الٰہی کا نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ یہ حاشیہ آرائی کسی ناظر کتاب کے قلم کا اثر ہو۔

اس وقت دنیا کے تمام تذکرے اِس روایت سے مختلف یا خاموش ہیں فلا یعتبر العقل تواطئہم علی الکذب اِس لئے ہماری نگاہ میں حاشیہ کی روایت غلط ہے۔

شاید کسی کو خیال ہو کہ یہاں تذکروں کو سیر الاولیا پر ترجیح دی گئی ہی حالانکہ واقعات بیان کرنے میں اکثر بلا تخصیص تذکروں کو غلط بیان بتایا گیا ہے لیکن ہمارے خیال میں ارباب عقل کبھی ایسا اعتراض نہیں کر سکتے ہم عام لوگوں کے لئے اختصاراً یہ معمہ بھی حل کئے دیتے ہیں۔

ہم نے تذکروں کی اُسوقت مخالفت کی ہے جب کہ وہ خود ایک دوسرے سے متفق نہیں تھے یہی وجہ ہے کہ ہماری روایات بعض تذکروں کے بیان سے

موافق اور بعض کے بیان سے

مخالف ہیں پس حقیقت یہ ہے کہ اُن کے باہمی اختلاف نے اُن کی مخالفت کی جرأت دلائی لیکن اس وقت جبکہ کل تذکروں اور تاریخوں کی مخالفت ہوتی ہے اور صرف حاشیہ سیر الاولیا کی تائید حالانکہ صحیح طور سے یہ بھی ثابت نہیں کہ یہ حاشیہ حضرت مؤلف مرحوم کا لکھا ہوا ہے یا کسی اور شخص کی تخیل آرائی کا نتیجہ ہے نہ یہ معلوم کہ اس روایت کا راوی کون ہے پس ایسی صورت میں یقیناً یہ حاصل ہے کہ سیر الاولیا کی اس روایت کو غلط کہا جائے۔

اب یہ حقیقت تسلیم کر لینے کے بعد حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب کا صحیح سن وصال معلوم کرنا چاہیئے۔ چنانچہ نسخہ فوائد الفواد شریف میں مرقوم ہے۔

از آنجا تاریخ نقل سلطان شمس الدین یاد کردند خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر ایں بیت بر زبان مبارک راند۔

بسال ششصد و سی سہ کہ بود از ہجرت
نماندہ شاہجہان شمس دین عالمگیر

سلطان شمس الدین التمش کی تاریخ وصال کا ذکر آیا سلطان المشائخ زبان مبارک پر یہ شعر لائے۔

۶۳۳ھ میں شمس الدین شاہ جہاں عالمگیر کا وصال ہوا۔

۱۱ جمادی الاول سنہ ۶۱۱ھ
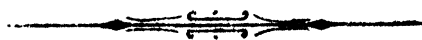
صاحب سیر الاولیا نے اس واقعہ کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

قاضی محی الدین کاشانی رحمۃ اللہ علیہ قاضی محی الدین کاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے

بخدمت حضرت سلطان المشائخ میگفت ہمدرآں سال کہ نقل سلطان شمس الدین التمش بود نقل شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز و نقل مولانا قطب الدین کاشانی ہم درآں سال بود ازیں حرف سلطان المشائخ تاریخ نقل سلطان شمس الدین یاد فرمودند وایں بیت گفت۔	سلطان المشائخ کی خدمت میں عرض کیا کہ سلطان شمس الدین التمش شیخ الاسلام قطب الدین مولانا قطب الدین کاشانی سب کا ایک ہی سال میں انتقال ہوا۔ اس پر حضرت سلطان المشائخ نے سلطان شمس الدین التمش کی تاریخ وصال یاد فرمائی اور یہ شعر فرمایا۔
بسال ششصد وسی سہ کہ بود از ہجرت نماند شاہِ جہاں شمسِ دینِ عالم گیر	۶۳۳ھ میں عالمگیر بادشاہ جہاں نے وصال فرمایا۔

نیز اکثر تاریخوں کا یہی قول ہے کہ شعبان ۶۳۳ھ ہجری میں سلطان شمس الدین التمش نے رحلت فرمائی اور اکثر تاریخوں و تذکروں کا بیان ہے کہ ربیع الاول ۶۳۳ھ ہجری میں قطب الاقطاب خواجہ قطب واصل بحق ہوئے۔ لہذا اب قطعی طور پر یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ حضرت نائب النبی عطائے رسول ۶ رجب ۶۳۲ھ میں واصل الی اللہ ہوئے سیر الاولیا کی مندرجہ بالا عبارت بھی حاشیہ سیر الاولیا کی عبارت کا رد کرتی ہے کیونکہ اگر حضرت سلطان الہند نے وصال حضرت قطب الاقطاب کے کچھ ماہ بعد

وصال فرمایا ہوتا تو اسکے کیا معنی کہ مولانا قطب الدین کاشانی کا تو ذکر کیا جائے کہ اسی سنہ میں آن کا بھی وصال ہوا اور حضرت خواجہ بزرگ کا اسم گرامی زبان پر بھی نہ آئے۔ لیکن اگر ۶۳۳ھ کے بعد وصال تسلیم کیا جائے تو پھر یہ اک ایسا قول ہے جو آج تک کبھی نہیں سُنا گیا۔ نیز اس کے علاوہ آخر یہ کیا ضرورت تھی کہ یہ تو بتایا جائے کہ حضرت حمید الدین کا وصال خواجہ قطب کے دس سال بعد ہوا اور خواجہ بزرگ کا نام نامی نہ لیا جائے حالانکہ آپ کا وصال اتنے عرصہ کے بعد نہیں ہوا ہوگا۔ لہذا صاف ظاہر ہے کہ خواجہ بزرگ کا وصال مبارک خواجہ قطب الاقطاب کی رحلت سے پہلے ہوا۔

اولاد خواجہ بزرگ کے تین فرزندان ارجمندان تولد ہوئے اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں جنکے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

حضرت خواجہ فخر الدین، حضرت خواجہ ضیاء الدین ابو سعید، حضرت خواجہ حسام الدین، حضرت بی بی حافظہ جمال، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

نسخہ شریفہ فوائد الفواد میں خواجہ احمد بن حضرت خواجہ بزرگ کا جو حال مرقوم ہے اسکے متعلق فی الحال ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ یا تو حضرت خواجہ احمد چوتھے صاحبزادے ہیں یا ان ہی تینوں فرزندان ارجمندان میں سے کسی بزرگ کا عرف ہے۔

ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ سنین واقعات، پر تاریخی نظر سے تبصرہ کیا ہے

ورنہ ابھی اکثر باتیں قابل بیان رہ گئی ہیں۔

بضاعتِ سخن آخر شد و سخن باقی است

اگر توفیق الٰہی اور مساعدت زمانہ نے ساتھ دیا تو عنقریب ایک تفصیلی روداد حیات پیش کرینگے جس میں حتیٰ الامکان کسی پہلو کو ترک نہیں کیا جائیگا۔ اور اُسی وقت سرکار اقدس کے فرزندان ارجمندان کے صحیح حالات اور ملفوظات طیبات نیز خلفا و معاصرین اور خوارق عادات و کرامات کا بیان کیا جائیگا۔

وما توفیقی الّا باللہ العلی العظیم۔
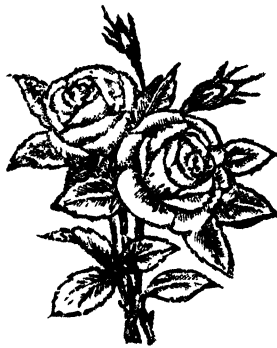
اسلاف کرام

نام نیکو رفتگاں ضائع مکن

تا بماند نام نیکت برقرار

درحقیقت دنیا میں اُس قوم کا وجود و عدم ایک ہی چیز ہے جس نے اپنے اسلاف
کی روایات کو فراموش کردیا، اُن کے حالات سے قطعاً بے پرواہی کی، اُن کا
ذکر اس کی زبان و قلم پر نہیں آیا، آج یہ واقعہ ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا
کہ دودمانِ خاک نشینانِ آستانہ نائب النبی نے کسی وقت بھی اپنے اسلاف
کی تاریخ پر غور نہیں کیا، کتاب **تذکرۃ المعین** شرح و بسط کے ساتھ لکھی گئی
لیکن بدقسمتی سے اُس میں بھی اسکے متعلق پوری صراحت نہیں ہے اسلئے کہ اس
تالیف کی علت غائی کچھ اور تھی - ہمارے خیال میں بزرگانِ سلف نے صرف
اِس لئے اس جانب توجہ نہیں فرمائی کہ اُن کے لئے خدمت مزار پُرانوار وارث
خاتم المرسلین، خود اک ایسا شرف تھا جس کے بعد کسی ذاتی اور نسبی شرف کی ضرورت
ہی باقی نہیں رہتی چنانچہ ان بزرگوں نے اپنا خاندانی غرور و ناز صرف اِسی شرف
پر قربان کر دیا اور سمجھ لیا۔

تا داغِ غلامیِ تو داریم　　　ہر جا کہ رویم بادشاہیم

آستانہ عالیہ پران کے سرہانے عقیدت دنیا زنے وہ نقوش قائم کئے کہ آج قوم کی اس اخلاقی و تمدنی تباہی و بربادی پر بھی وہ محو نہیں ہوئے یہی وجہ ہے کہ غالباً قیامت تک یہ شرف اسی قوم کے نام لکھدیا گیا ہے۔ ان کی پرانی سادہ وضعیں ظاہری آرائشوں کی ممنون نہیں تھیں۔ ان کے قلوب جاہ طلبی کی آرزو نہیں رکھتے تھے۔ ان کی مہمان نوازی عرب کے اکرام الضیف کا نمونہ تھی۔ ان کے استقلال کو آسمان وزمین کی حرکت متزلزل نہیں کر سکی۔ ان کی خدا پرستی کو اگر آج اسوہ حسنہ بنایا جاتا تو کبھی قوم کو یہ مراحل پیش نہ آتے اب جب کبھی ان مقدس افراد کے واقعات حیات کانوں تک پہنچتے ہیں تو ان ایمان والوں کی تصویریں آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہیں اور بیساختہ زبان سے نکلتا ہے۔

کہ کل کیا تھے اور آج کیا ہو گئے ہم
ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے ہم

ان کی نگاہ میں مجاورت آستانہ اقدس اور توسل خواجہ بزرگ ہی نجات آخرت وفلاح دنیا کا تنہا اور واحد ذریعہ تھا۔ اسی لئے ان مبارک افراد نے کسی وقت بھی اپنی تاریخ کی جانب توجہ نہیں فرمائی ان کی اخلاص شعاری اور تواضع وانکساری کا تقاضہ ہی یہ تھا کہ وہ اپنی حقیقت کچھ نہ سمجھتے۔

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی　　که دریں راه فلاں ابن فلاں چیزے نیست

ایسی حالت میں کبھی اُن کے مبارک دَورِ حیات پر کوئی حرف نہیں آسکتا نہ اس بے اعتنائی کو اُن کی غفلت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ نہ ہماری یہ شکایت کسی طرح بجا اور درست ہوسکتی ہے۔ انہیں غفلت شعار نہیں کہا جاسکتا اسلئے کہ اُن کے بالمقابل کوئی معاند و مخالف کبھی سرسبز نہیں ہوسکا اس کے علاوہ اُنکے اخلاق حسنہ اور شمائل برگزیدہ ایسے تھے جس سے ایک زمانہ اُن کا معتقد و گرویدہ تھا ہم اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں اور یقیناً تائیدِ غیبی اسی کا نام ہے کہ پُرانے کاغذات میں مختلف مکانوں سے کچھ قدیم نسب نامہ دستیاب ہوگئے ورنہ اُن کے مخصوص طرزِ عمل کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ آج نام کو بھی سلسلۂ نسب کا نام نہیں ملتا۔

دراصل ہمارے اسلاف نے وہی کیا جو فرطِ عقیدت میں کیا جاسکتا ہے انھیں خدمتِ آستانہ سے فرصت ہی نہ ہوئی جو وہ دوسری جانب متوجہ ہوتے۔

ما چہ سرگیسوے کسے کار نداریم
ہیچ آرزوئے سبحۂ و زنار نداریم

لیکن کاش انھیں مستقبل کی نزاکت کا احساس ہوجاتا تو غالباً آج بیشمار تاریخیں اور تذکرے ہمارے سامنے موجود ہوتے اور اُن کے بعد ہمیں قلم اُٹھانے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

زمانۂ سابقہ میں سادات کے دو تین تذکرے لکھے گئے زمانہ بھر کے سادات کا ذکر کیا گیا لیکن خادمانِ نائب النبی کا کوئی تذکرہ نہیں اسی لئے آج مخالفین اسی آڑ

میں دلی بخارات نکالتے ہیں اور اسی پردہ میں زبان درازی سے دریغ نہیں کرتے ہمارا سوال یہ ہے اور ہم صرف یہ دریافت کرتے ہیں کہ آخر سادات کا یہ تذکرہ لکھنے والا کون تھا۔ اُس پر وحی الہی آتی تھی یا اُسے القا دالہام ہوتا تھا اُسے غیب کی کیا خبر اُس نے اگر قابل تعریف اور درخورستائش کوئی کام کیا تو صرف اسقدر کہ کوشش کرکے متعدد شجروں کو ترتیب وسلسلہ کے ساتھ جمع کردیا وہ علم انساب کا حافظ نہیں تھا اُسے کیا معلوم کہ ہندوستان میں کس کس خاندان کے سادات موجود ہیں اس قسم کی کتاب لکھنے کا صرف یہ طریقہ ہوتا ہے اور جو آج بھی حسب دستور قدیم عام طور پر مروج ہے کہ ایک عام اعلان کردیا جاتا ہے چنانچہ یقیناً اعلان کیا ہوگا اور جن جن لوگوں نے شجرے بھیجدیے اُس نے بجنسہٖ درج کتاب کردیے کیا کوئی یہ ثابت کرسکتا ہے کہ فلاں خاندان کے شجرے میں اُسنے یہ ترمیم وتنسیخ کی اب ایسی حالت میں یہ دعویٰ کہ چونکہ تذکرہ سادات سے اِن کی سیادت ثابت نہیں ہوتی لہذا یہ آل رسول نہیں ہیں اگر بے سروپا نہیں ہے تو کیا ہے ابھی ہندوستان میں بہت سے خاندان ایسے باقی ہیں جن کا ذکر ان تذکروں میں نہیں ہے جن کی تفصیل تفصیل کے وقت کی جائیگی تو کیا اِس کے یہ معنی ہوئے کہ وہ لوگ سادات نہیں ہیں، اعوذ برب الناس من شر حاسد اذا حسد، ہاں یہ تسلیم ہے کہ ہمارے بزرگوں نے اس جانب توجہ نہیں فرمائی اگر وہ توجہ فرماتے اور اپنا نسب نامہ تذکرہ نویسوں کو بھیجدیتے

تو یقیناً آج اُونہی تذکروں سے ہم اثبات سیادت کرسکتے تھے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابھی کچھ عرصہ سے یہ لوگ مدعیان سیادت ہوئے ہیں، حالانکہ تاجداران مغلیہ کے وکالت نامہ اور فرامین سے ہماری سیادت کا ثبوت ہوتا ہے جن کی نقل اپنی جگہہ کی جائیگی اور تمام کاغذات پارینہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اُس وقت بھی سادات ہی لکھے جاتے تھے۔ اب کہدیں کہ اکبر سے پہلے ان کی سیادت کا ثبوت نہیں ہوتا مگر جب ہم اس کا ثبوت بھی پیش کردیں گے تو کیا ہوگا لہم قلوب لا یفقہون بہا۔

باہرحال یہ ایک طویل بحث ہی کتاب مبسوط لکھنے کے وقت اسپر کافی بحث کی جائیگی ہم اس وقت قطع نظر کرتے ہیں۔

کاش ان خداپرستوں کو یہ معلوم ہوجاتا کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ اُسوقت وہ شرف جسے آج اپنے خاندانی شرف پر فضیلت دیجاتی ہے یعنی شرفِ خدمتِ آستانہ اُسی کو لفظ ذلت کے معنی پہنائے جائیں گے اور حسب ونسب کا سوال پیش آئیگا۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ آج خدمت مزار پُرانوار کو ملازمت عام اور گدائی سے تعبیر کیا جاتا ہی یہ بلاشبہ صحیح ہے کہ اس میں بعض افراد قوم کی بدعنوانیوں اور ناشائستگیوں کو ضرور دخل ہی مگر ہم یہ پوچھتے ہیں کہ ایسی حالت میں کلیہ بنا لینا کہاں کی منطق ہے اور ہم کہتے ہیں کہ دنیا میں وہ کونسی قوم ہی جو رطب و یابس افراد کا مجموعہ نہیں وہ کون لوگ ہیں پڑھے لکھے ہوں یا جاہل جن کے

دلوں میں حب جاہ و مال نہیں ایسے کتنے اشخاص ہیں جنہیں یوم الحساب کا پورا پورا خیال ہے وہ کونسا خاندان ہے جس کے تمام افراد ایک ہی سانچہ میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ آج اگر قوم میں یہ عام جہالت نہ ہوتی تو یقیناً یہ لوگ بھی اسی تہذیب کے ساتھ دنیا حاصل کرتے جو آجکل ایک عام اور مروج طریقہ ہے! درا عاظم رجال اس میں مبتلا ہیں۔

گفتگوے اہل عالم در سر دنیا ہم
جملہ بے اصل است و جنگ طفل ہاے مکتب است!

ذاتیات پر حملے ہوئے ہمنے چپ چاپ اس منظر کو دیکھا۔ قوم کی مجموعی حالت پر نکتہ چینیاں ہوئیں ہمنے سکون کے ساتھ اس حقیقت کا مطالعہ کیا اور کبھی لفظ شکوہ ہماری زبان پر نہیں آیا اسلئے کہ تخئیل آرائی نے بات کو افسانہ بنا دیا تھا لیکن کچھ نہ کچھ واقعیت بھی ضرور تھی۔

زبانِ مدعی در شکوۂ ما ماہی دام است

اب اسلاف کرام پر حملہ ہوا پس اسوقت ہماری خاموشی اور ہمارا سکون صحت واقعہ پر دلالت کرتا یا بے حمیتی سے تعبیر کیا جاتا۔

یہ جو کچھ بھی لکھا جا چکا یا لکھا جاتا ہے اگر نظر انصاف سے اس کا مطالعہ کیا جائیگا تو حقیقت اصلی ظاہر و آشکارا ہو جائیگی ورنہ دنیا کی بے شمار مثالیں آج اسکی شاہد ہیں کہ تعصب و اعتقاد کی غلط بین نگاہیں کسی واقعہ کی حقیقت نفس الامریہ

اور ماہیت اصلیہ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتیں دیکھو نوع انسانی کے کسی فرد کیساتھ اگر تمہیں ذاتی طور پر سوء ظنی یا ایک خاص اعتقاد ہے تو ان دونوں کی جھوٹی سچی تمام باتیں تمہارے سامنے ایک ہی حیثیت رکھتی ہیں وہ شخص جس سے تمہیں عداوت ہے راستی کے تمام اصول کے مطابق بھی تمہارے سامنے کوئی حقیقت پیش کریگا تو تمہاری ناجائز اور بیجا تاویلات کا حربہ اُس کی حقانیت اور صداقت کو مجروح و مضمحل ہی کرنیکی فکر میں رہیگا۔

واخو العداوة لا یمرّ بصالحٍ
الّا و یلمزه بکذّابٍ اشر

پھر اگر تمہیں کسی شخص کے ساتھ تعلق عقیدت و محبت حاصل تو اُس کی ایک ایک بات تمہیں کرامت معلوم ہوگی اور اُسکی غلطی بھی تمہاری نگاہ میں حسن و خوبی کی ایک تصویر ہی نظر آئیگی۔ کیونکہ

ہر عیب کہ یارے بہ پسند د ہنر است

حالانکہ ایمان و دیانت کے یہ معنی ہیں کہ ہر چیز کی اصلی حالت دریافت کیجائے خواہ وہ کیسی ہی ہو، الایمان معرفة الاشیأ علی ماھی علیه۔

اب ہم اپنے جد بزرگوار حضرت خواجہ فخر الدین کے حالات قلمبند کرتے ہیں اور اختصار یہاں بھی ملحوظ ہے ارباب نظر مطمئن رہیں تفصیلی روداد کا خاکہ قائم کیا جاچکا ہے عنقریب وہ بھی عالم شہود میں آنے والی ہے۔

خواجہ فخرالدین گردیزی قدس سرہٗ

ولادت ۵۴۹ھ

جبکہ خود حضرت سلطان الہند کے حالات زندگی کسی تذکرہ میں بہ تفصیل موجود نہیں ہیں ایسی حالت میں حضرت خواجہ فخرالدین کے واقعاتِ حیات کی نسبت فقدانِ معلومات کوئی تعجب انگیز واقعہ نہیں ہو سکتا۔

معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سرکار والا تبار نے اپنے واقعات زندگی کو پردۂ خفا میں رکھا ٹھیک اسی طرح حضرت خواجہ فخرالدین نے اپنے حالات کی کوئی صراحت نہیں فرمائی۔ اسکے علاوہ ہمارے اسلاف کرام نے بھی اس عنوان پر کوئی تاریخ نہیں لکھی جس سے اقتباس واقعات میں دشواری پیش نہیں آتی۔ پس ہمارے لئے ضروری ہوگیا کہ اپنی زبانی روایات پر غور کرکے صحیح نتیجہ نکالا جائے اسکے متعلق بیان کیا جاچکا ہے کہ زبانی روایات کیا حقیقت رکھتی ہیں اور ہم ابھی بیان کریں گے کہ ہماری وہ روایات جو کبھی باد ہوائی سمجھی جاتی تھیں آج کسطرح صحیح ثابت ہوگئیں۔

روایت ہے کہ حضرت خواجہ فخرالدین نے وصال خواجہ بزرگ کے دس سال بعد رحلت فرمائی اور اُسوقت سن شریف ترانوے سال کا تھا پس یوں سمجھنا چاہیے کہ حضرت خواجہ فخرالدین نے ۶۴۲ھ میں وصال فرمایا اب اگر ۶۴۲ھ سے

ترانوے کم کردیے جائیں تو ۵۴۹ھ ہوتے ہیں پس معلوم ہوا ۵۴۹ھ مطابق ۱۱۵۳ء میں بمقام گردیز آپ تولد ہوئے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ خواجہ بزرگ تحصیل علم میں مصروف تھے۔

خاندانی حالات و نسب

خاندان اور والدین کے متعلق ہم تک کوئی روایت نہیں پہنچی اسلئے بمجبوری ہم خاموش ہیں عجیب اتفاق ہے کہ نائب النبی کی روداد حیات میں بھی یہ عنوان بالکل سادہ ہے اور یہاں بھی فی الحال اسپر ہم کچھ نہیں لکھ سکتے البتہ متعدد قدیم شجرے جو ہم لوگوں کے پاس موجود ہیں اور کتاب **تذکرۃ المعین** مؤلفہ حضرت مولانا زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نیز رسالہ فضائل خواجہ مؤلفہ ابوالموید حکیم محمد مظہر الہادی میں جو سلسلۂ نسب تحریر ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے ہاں ایک دو شجروں میں نام مقدم و موخر ہو گئے ہیں غرض یہ ہے کہ تمام شجرے بیک زبان اسکے قائل ہیں کہ حضرت خواجہ فخر الدین سادات حسینی سے ہیں آپ کا نسب نامہ یہ ہے۔

حضرت خواجہ فخر الدین قدس سرہٗ ابن حضرت خواجہ احمد ابن حضرت خواجہ شاہ صدر الدین ابن حضرت خواجہ شاہ نظام الدین بن حضرت خواجہ ابوالقاسم ابن حضرت خواجہ جمال الدین ابن حضرت خواجہ حسین قدس اللہ اسرارہم ابن امام عالی مقام سیدنا موسیٰ کاظم خلف امام عالی مقام سیدنا جعفر صادق خلف امام عالی مقام سیدنا محمد باقر خلف امام عالی مقام سیدنا

زین العابدین علی اوسط خلف سید الشہدا سلطان الاصفیا امام الائمہ امام
عالی مقام سید السادات حضرت حسین خلف امیر المومنین امام المسلمین خلیفہ
رسول اللہ اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب سلام و صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہم
و رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین حسن اتفاق دیکھو کہ خواجہ بزرگ کے سلسلہ نسب
کی تیرہویں کڑی حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کا نام نامی ہے اور اسی قدر
واسطوں میں حضرت خواجہ فخر الدین کا سلسلہ نسب حضرت امام علی علیہ السلام پر تمام
ہوتا ہے۔ کتاب تذکرۃ المعین اور رسالہ فضائل خواجہ نیز دیگر شجروں میں جو سلسلہ
نسب تحریر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ فخر الدین حضرت
سید شہاب الدین گردیزی کے فرزند ارجمند تھے اور ہم نے سید شہاب الدین
رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی شجرے سے ساقط کر دیا ہے اسلئے کہ ہمنے خود اپنے
کانوں سے حضرت مصنف کتاب تذکرۃ المعین کی زبانی یہ روایت سنی ہے کہ
حضرت خواجہ فخر الدین ساداتِ گردیز سے ہیں اور آپ کے والد بزرگوار حضرت
سید شہاب الدین گردیزی وہی ہیں جن کی اولاد کڑہ مانک پور میں آبادی سادات
کڑہ مانک پور کے اسی خاندان سے خادمان نائب النبی کو نسبی تعلق حاصل ہی لیکن
جب ہم نے اس نکتہ پر غور کیا تو حقیقت ظاہر ہوگئی کہ حضرت شہاب الدین کا
نام نامی سلسلۂ نسب میں ایزاد کیا گیا ہے اور اس کی وجہ بظاہر ہمارے ذہن میں
یہ آتی ہے کہ یہ دو روایتیں خانوادہ خادمان نائب النبی میں ابھی تک مشہور ہیں اور

قوم کا ایک ایک فرد آج بھی اس سے واقف ہے کہ ہم لوگ سادات گردیز سے ہیں اور کڑہ مانک پور کے کسی خاندان سادات سے ہمیں نسبی رشتہ حاصل ہے چونکہ یہ دونوں روایتیں ہر زمانہ میں رواۃ ثقات کی زبانوں پر رہیں اور اس تواتر وتسلسل کے ساتھ مختلف زمانوں سے گزرتی رہیں کہ امکان کذب کا شائبہ بھی باقی نہ رہا معلوم ہوتا ہے کہ دَور گزشتہ میں اس مسئلہ پر غور کیا گیا اور ممکن ہے کہ ساکنان کڑہ مانک پور سے بھی سادات گردیز کے متعلق سوال کیا ہو اب ظاہر ہے کہ وہاں سادات گردیز کا خاندان سید شہاب الدین گردیزی کی اولاد ہی اور ان لوگوں کے علاوہ سادات گردیز کا کوئی خاندان آباد نہیں ہے۔ اسلئے ارباب غور و فکر نے دونوں روایتوں کو قطعاً صحیح تسلیم کرتے ہوئے یہ قطعی فیصلہ کر لیا کہ سلسلہ نسب میں سید شہاب الدین کا نام سہو کاتب سے رہ گیا ہی حقیقت یہ ہے کہ اسوقت از روئے درایت یہ دونوں روایتیں صحیح ثابت ہو جاتی ہیں یعنی خادمان نائب النبی کا سادات گردیز سے ہونا اور کڑہ مانک پور کے کسی خاندان سادات کا ہمجد ہونا۔

لیکن وہ زمانہ تھا جبکہ کتابیں گھر کے گوشوں میں پڑی ہوئی تھیں اور سلسلۂ طباعت ابھی جاری نہیں ہوا تھا۔ ورنہ جس طرح آج صاف طور پر یہ ظاہر ہے کہ خواجہ فخر الدین کا شجرۂ نسب کسی طرح حضرت سید شہاب الدین کے شجرۂ نسب سے مطابق نہیں ہے اُسی طرح اسوقت بھی یہ راز فاش ہو جاتا اور کبھی یہ غلطی عالم

وجود میں نہ آئی۔ اِسکے علاوہ کتاب گلزار ابرار میں جہاں حضرت خواجہ فخرالدین کا ذکر کیا گیا ہے مصنف مرحوم نے آپ کا نام نامی شیخ فخرالدین احمد لکھا۔ پس اب دیکھنا یہ ہے کہ کسی کتاب کسی شجرے میں آپ کا اسم گرامی فخرالدین احمد نہیں مرقوم ہے بلکہ نام نامی فخرالدین لکھا ہوا ہے لہذا معلوم ہوتا ہے کہ فخرالدین احمد میں اضافت بمعنی ابن ہے اور شیخ فخرالدین ابن احمد مراد ہے۔ عربی میں یہ اضافت عام طور سے مستعمل ہے اور زبان فارسی میں عربی ہی کی تقلید کی گئی ہے۔ چنانچہ غالب مرحوم کا شعر ہے۔

درد من بود غالب یا علی بو طالب
نیست بجل با طالب اسم اعظم از من پرس

تعلیم و تربیت

حضرت خواجہ فخرالدین کی تعلیم و تربیت کے متعلق کوئی روایت مشہور نہیں ہے حسن اتفاق دیکھو کہ خواجہ بزرگ کی تعلیم و تربیت کا حال بھی صراحت و وضاحت کے ساتھ کہیں نہیں ملتا۔ لیکن یہ یقینی امر ہے کہ حضرت خواجہ فخرالدین تعلیم یافتہ ضرور تھے چنانچہ گلزار ابرار کے مصنف کا بیان اس کا شاہد ہے۔

بیعت و ارادت ۵۶۹ھ

یہ روایت آج ہر فرد قوم کی نوک زباں ہی کہ حضرت خواجہ فخرالدین مخدوم عالم و عالمیان خواجہ خواجگان حضرت خواجہ عثمان ہردنی سے بیعت تھے اور اس کی کوئی صراحت

نہیں کی گئی کہ صاحب موصوف کس عمر میں بیعت ہوئے ممکن ہے کہ بچپن ہی سے پیرو مرشد کی خدمت نصیب ہو گئی ہو لیکن اقرب الی الصواب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عنفوانِ شباب میں آپ گرد یز سے خدمت میں آئے اور اس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی پس اس وقت سن بیعت ۵۶۹ھ قرار پا سکتا ہے ۔

کتاب سیر العارفین میں ایک روایت درج ہے اور اسی کتاب سے تاریخ فرشتہ اقتباس الانوار وغیرہ مختلف کتب میں یہ روایت نقل کی گئی ہے چنانچہ ہم کتاب سیر العارفین کی عبارت نقل کرتے ہیں ۔

بعد چند کہ حضرت شیخ المشائخ حضرت شیخ عثمان قدس سرہ از فرط محبتی کہ داشتند در طلب او از مقام خود انتقال نمودند بعد منزلے چند در مقامے رسیدند کہ درآں زمین مغان ساکن بودند و آتشکدہ ساختہ وافروختہ بودند بالاے او گنبد خشتی برآوردہ ہر روز موازنہ بست اعرابہ ہیزم معہود بود کہ دروے می انداختند چوں حضرت شیخ آنجا رسیدہ دور تر از قصبہ در زیر درختے

کچھ عرصہ کے بعد شیخ المشائخ حضرت شیخ عثمان نے خواجہ بزرگ کی محبت وطلب میں سفر فرمایا ۔ چند منزل بعد ایک مقام پر پہنچے کہ وہاں آتش پرست رہتے تھے اور آتشکدہ بنا رکھا تھا ۔ اس پر گنبد خشتی تھا ۔ ہر دن بیس گاڑیوں کی لکڑیاں جلائی جاتی تھیں جب حضرت شیخ وہاں پہنچے تو قصبہ سے دور ایک درخت کے سایہ میں نزول اجلال فرمایا

نزول فرمودند حضرت شیخ خادمے داشت فخر الدین نام اورا فرستادہ کہ پارہ آرد و آتش بیارد تا نان افطار مہیا سازد خادم مذکور بداں موضع رسیدہ پارہ آرد خرید و از جہت آتش بداں آتشکدہ آمد خواست کہ آتش گیرد۔ الخ	فخر الدین نام آپ کے ایک خادم تھے آپ نے اُن کو آٹا اور آگ لانے کے لئے فرمایا تاکہ افطار کے لئے روٹی تیار کی جائے خادم مذکور اُس موضع میں پہنچے آٹا خرید کیا اور آگ لینے کے لئے آتش کدہ پر آئے۔ الخ
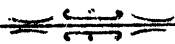
مختصر یہ ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رضی اللہ عنہ نے کرامت خلیلی کا اظہار فرمایا نار گلزار ہو گئی اور تمام آتش پرست مسلمان ہو گئے۔ پس اس واقعہ سے ہماری زبانی روایت کی تائید ہوتی ہے۔

سلطان الہند کی معیت

ہماری زبانی روایات اِس کی شاہد ہیں کہ حضرت خواجہ فخر الدین حضرت سلطان الہند کے ہمراہ ہندوستان میں تشریف لائے اور اجمیر میں قیام فرمایا اور یہیں اولاد ہوئی یہیں وصال فرمایا۔ چنانچہ مولد عطائے رسول مطبوعہ مطبع گلزار حسینی بمبئی مؤلفہ علامہ احمد علی کا بیان ہے۔

انہ روی فی کتاب گلشن وغیرہ	کتاب گلشن نیز دوسری کتابوں سے روایت

ان الشیخ رحمۃ اللہ علیہ لمّا
اخذ من شیخہ الخلافۃ وخرقۃ
السنّۃ ونال منہ الاذن والبرکۃ
والمنۃ وتوجہ الی اطـراف
اصفہان المشتمل علی بلدۃ سنجر و
معہ فخرالدین المرتضع لبان
البیعۃ عند الشیخ الاکبر وصلا
بلدۃ لیس بھا الا الکافر الباغی
والمجوس والمتجبر الطاغی ونزلا
ھناک للاستظلال تحت شجرۃ و
عندھا اخدودۃ من نارٍ مسجّرۃ
وتوقد فیھا کل یومٍ احطابٌ
مکسرۃ ولا یرضون حالا یطفؤنھا
وکلما انطفت یجمرونھا فعزم
رحمۃ اللہ ان یھدیھم الی الرشاد
ویزجرھم من الفساد فارسل
الیھم فخرالدین وھو اخو البیعۃ

کہ جب شیخؒ (خواجہ بزرگ) نے پیر و مرشد
خرقہ خلافت و طریقت اجازت و رخصت
برکت و سعادت حاصل فرمائی تو اطراف
اصفہان کی جانب توجہ فرمائی بلدہ سنجر
انہی کی اطراف میں داخل ہے اُس وقت
خواجہ بزرگ کے ہمراہ فخرالدین تھے جو بیعت
شیخ کے دودھ پینے میں آپ کے شریک
تھے دونوں کے دونوں ایک شہر میں پہنچے
جہاں کافروں، باغیوں، مجوسیوں، ظالموں
شیطانوں کے سوا کوئی نہ تھا ان دونوں
حضرات نے ایک درخت کے سایہ میں قیام
فرمایا۔ اسی مقام کے قریب کچھ گڑھے تھے
اور اس میں آگ بھڑک رہی تھی اور اُس میں
لکڑیاں توڑ کر جلائی جاتی تھیں اور وہ لوگ
اُسکے بجھانے پر کبھی راضی نہیں ہوتے تھے
جب آگ بجھنے لگتی تھی تو روشن کردیتے تھے
حضرت خواجہ نے انکی ہدایت کا ارادہ فرمایا

خادمه وخلیفة فی الدین، الخ	اور اُن لوگوں کو اس گمراہی اور فساد سے روکنا چاہا پس آپ نے اپنے پیر بھائی اور دینی خلیفہ اور خادم فخرالدین کو انکی جانب روانہ فرمایا۔

اس عبارت کے مطالعہ کے بعد یہ ضروری تھا کہ اصل کتاب گلشن کا مطالعہ کیا جائے لیکن کتاب گلشن دستیاب نہ ہو سکی۔ البتہ اس قدر ضرور معلوم ہوا کہ کتاب جواہر فریدی جو ایک قدیم تذکرہ ہے اور عہد جہانگیری میں لکھا گیا ہے اس میں اسی کتاب گلشن کی روایات نقل کی گئی ہیں اسلیئے ثابت ہوا کہ یہ روایت بھی باعتبار زمانہ قدیم روایت ہے، علاوہ ازیں نفظ وغیرہ دلالت کرتا ہے کہ مصنف موصوف نے دوسری کتب میں بھی اس روایت کا مطالعہ کیا ہے۔

اب سیرالعارفین اور کتاب گلشن کی دونوں روایتوں کا موازنہ اسوقت نہیں کیا جا سکتا جبکہ صدیاں گزر گئیں ہاں اگر سنہ و تاریخ کا ذکر ہوتا تو شاید صحت و عدم صحت سے بحث کی جاتی۔ لیکن اگر ہم اپنی زبانی روایات پر غور کریں تو یقیناً کتاب گلشن کی روایت صحیح معلوم ہوگی۔ ورنہ دونوں صورتوں میں اثبات مدعا ہوتا ہے اگر یہ کہا جائے کہ سیرالعارفین کی روایت صحیح ہے اور اس صورت میں خواجہ فخرالدین کا خواجہ بزرگ کی ہمراہ رہنا کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے کیونکہ خواجہ بزرگ کو رخصت فرمانے کے بعد حضرت خواجہ عثمان ہرونی نے یہ سفر

فرمایا تھا۔ یہ ایک ایسا اعتراض ہے جس کا جواب اظہر من الشمس ہے اسلئے کہ دنیا کے کسی تذکرے نے یہ نہیں بتایا کہ اس سفر میں جس کی علت غائی سلطان الہند کا دیدار تھا۔ آیا حضرت پیر و مرشد نے خواجہ بزرگ سے ملاقات فرمائی یا نہیں۔ غرض ثبوت و نفی دونوں بحالت تذبذب ہیں۔ پس جب یہ صراحت موجود نہیں ہے تو اسوقت ملاقات اک امکانی حیثیت میں شمار کی جا سکتی ہے، اور بعض تذکرے اسکے شاہد ہیں کہ حضور اقدس نے زیارت حرمین کا شرف حاصل فرما کر ہرون کی جانب توجہ فرمائی۔ پس اسوقت خواجہ عثمان سے ملاقات اک یقینی اور نفس الامر واقعہ ہے۔ پھر اگر بالفرض یہ بھی مان لیا جائے کہ ملاقات نہیں ہوئی تو یقیناً کچھ عرصہ کے بعد حضرت خواجہ فخر الدین خواجہ بزرگ سے کسی مقام پر آکر ملے ہیں اسلئے کہ ہماری زبانی روایات اس کی تصریح کر رہی ہیں کہ حضرت خواجہ فخر الدین کو خواجہ بزرگ نے حسب فرمان پیر و مرشد اپنے ہمراہ لیا اور حضرت خواجہ فخر الدین نے حسب ارشاد پیر و مرشد اپنے برادر طریقت خواجہ بزرگ کی خدمت اختیار فرمائی۔ علاوہ ازیں دنیا کا کوئی وہ تذکرہ جس میں نائب النبی کے حالات کسی قدر صراحت کے ساتھ موجود ہیں ایسا نہیں ہے جس سے خواجہ بزرگ کے ہمراہ ایک درویش یا بالفاظ دیگر خادم کا رہنا ثابت نہ ہوتا ہو۔ پس اب جبکہ تمام تذکرے ہم آہنگی کے ساتھ اسکے قائل ہیں کہ سرکار والا تبار کی ہمراہ ایک درویش یا خادم رفیق سفر رہے ہیں اور بعض کتب میں نام نامی فخر الدین صاف طریقہ پر

مرقوم ہے اور بعض تذکروں میں نام نامی کے بجائے لفظ درویش یا خادم تحریر ہے تو اس وقت مجال انکار باقی نہیں رہتی کیونکہ خواجہ فخرالدین کے نام نامی کے بجائے کسی کتاب میں درویش و خادم کا کوئی دوسرا نام نہیں لکھا گیا۔

قیام اجمیر و خلافت

عہد جہانگیری کی تالیف کتاب گلزار ابرار مؤلفہ مولانا غوثی شطاری رحمۃ اللہ علیہ۔ اصل کتاب زبان فارسی میں ہے اور اس کا ترجمہ طبع ہو چکا ہے اصل کتاب ابھی تک قلمی ہے۔ مترجم کا بیان کہ کتاب کی اصل عبارت فارسی بہت دقیق تھی عام لوگ نہیں سمجھ سکتے تھے اسلئے ۱۳۲۶ھ میں صرف اس کا ترجمہ شائع کیا گیا۔ اس کتاب میں خلفاے حضرت خواجہ بزرگ کے سلسلہ میں خواجہ فخرالدین کا ذکر کیا گیا ہے اور ان الفاظ سے یاد کیا ہے۔

"آپ (خواجہ فخرالدین) کو پیر کی خدمتگاری اور پرستاری میں درجہ غلامی حاصل تھا اور پیر کے ناصحانہ کلام کو اپنے قلم سے لکھا کرتے تھے تمام اپنی زندگی عبادت و ریاضت میں وقف کر رکھی تھی"

اِس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت اقدس سے خلافت پائی اور آپ اجمیر القدس میں نائب النبی کے ہمراہ تھے۔ اور یہی ہماری زبانی روایت بھی ہے۔

خدمت متعلقہ

ترجمہ کتاب مونس الارواح رقمطراز ہے۔

"نقل ہے حضرت قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ سے کہ فرمایا

بیس برس میں آپ کی صحبت بابرکت میں ملازم رہا ہرگز میں نے نہ دیکھا کہ آپ نے کسی کو اپنے پاس آنے دیا ہو بلکہ جب باورچی خانہ میں کچھ نہ ہوتا تھا تو خادم خاص یعنی سید فخر الدین حاضر ہو کر عرض کیا کرتے تھے آپ مصلےٰ مبارک اٹھا کر فرماتے تھے کہ لیلے اس قدر کہ کفایت آج اور کل یعنی دو روز کرے خادم اسی قدر لے لیتے تھے۔ اسی طرح برسوں اور مہینوں وظیفہ درویشوں کا جناب قدس سرہ سے پہنچتا تھا۔

اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ فخر الدین کے متعلق سلطان الہند کے لنگر خانہ کا انتظام واہتمام تھا۔ یہی روایت بعض اور کتابوں میں بھی مرقوم ہے۔

نکاح ۶۱۰ھ یہ ہماری زبانی روایت ہے اور آج قوم کا ایک ایک فرد اس سے ناواقف نہیں ہے کہ سرکار اقدس کو عقد فرمائے ہوئے ابھی کچھ دن نہ ہوئے تھے کہ حضرت خواجہ فخر الدین کو ارشاد ہوا تم بھی اِس سنت نبوی کی تکمیل کرو آپ نے خدمت میں عرض کیا کہ اب اس زمانہ میں کیا شادی کردں خدا معلوم اولاد کیسی ہو جس کا بار میرے دوش پر رہیگا۔ ارشاد ہوا کہ تمہاری اولاد میں جس قدر لوگ بُرے ہونگے ہم اُن کی شفاعت کرینگے الحمد للہ علیٰ ذالک چنانچہ تعمیل ارشاد کی، صاحب تذکرۃ المعین کا بیان ہے کہ آپنے خواجہ بزرگ کی دعا سے اولاد کثیر پائی۔

ہیں اسکے متعلق کوئی علم نہیں کہ زوجہ محترمہ کا نام مبارک کیا تھا اور وہ کس کی صاحبزادی تھیں بہرحال ۱۱۶۰ھ میں بعمر اکسٹھ سال حسب ارشاد خواجہ بزرگ اتباع خواجہ بزرگ میں آپ بھی متاہل ہوئے۔

فرزندان تمام نسب نامے اسکے شاہد ہیں اور کتاب تذکرۃ المعین کا بیان ہے کہ خواجہ فخرالدین کے تین صاحبزادگان تولد ہوئے۔

حضرت مولانا مسعود - حضرت سید محبوب عرف بہلول - حضرت سید ابراہیم

ان تینوں بزرگواروں کے مزارات روبروے دالان بیگمی ہیں جہاں سرخ پتھر کے نشانات ہیں۔

صاحب تذکرۃ المعین کو اِس مقام پر مغالطہ ہوا ہے اُن کے بیان کا خلاصہ یہ ہے۔

"حضرت مولانا مسعود وہ ہیں جن کا حال بحوالہ جواہر فریدی حضرت مولانا شمس الدین طاہر رحمۃ اللہ علیہ جو قریب ڈیڑھ سو برس کی عمر رکھتے تھے لکھتے ہیں کہ جب میں ابتدائی زمانہ میں اجمیر شریف حاضر ہوا اسوقت مولانا سید محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ کو پایا جو آستانہ حضور غریب نواز پر ایک عظیم القدر بزرگ مجاور رہتے اور قریب اسی برس کی عمر رکھتے تھے"!

معلوم ہوتا ہے کہ مصنف مرحوم نے اس واقعہ کو صرف سن کر لکھدیا ہے اور اصل کتاب جواہر فریدی اُن کے مطالعہ سے نہیں گزری ورنہ معلوم ہوجاتا

کہ صاحب جواہر فریدی نے سرکار اقدس کے تمام حالات من وعن کتاب سیر العارفین سے نقل کردیے ہیں اور ایسی صورت میں کتاب سیر العارفین کے مطالعہ کی ضرورت پیش آتی پھر اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوجاتا کہ مولانا مسعود مجاور سے ملاقات کرنے والے شیخ جمالی تھے نہ کہ شمس الدین طاہر؎

اس واقعہ کے متعلق مولانا جمالی کا صاف یہ بیان ہے۔

این حقیر چوں بزیارت روضہ متبرکہ حضرت زبدۃ المشائخ معین الحق رحمۃ اللہ علیہ واسعہ رسید ہمراہ باتفاق معیت خدمت پیرزادہ برجادہ شیخ المشائخ شیخ نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ بود ببکجا زیارت حضرت بحصول پیوست درآنجا مجاورے بود عظیم القدر مولانا مسعود قریب ہشتاد سال عمر داست چنانچہ پدر دآبا واجداد او مولانا احمد بن محمد بن مخدوم قاضی تاج بن مخدوم قاضی شمس الدین دہلوی نبیرہ امام محمد شیبانی شرف خدمت شیخ مشارٌالیہ قدس سرہ یافتہ بود۔

جب یہ حقیر حضرت خواجہ بزرگ کے مزار اقدس کی زیارت سے مشرف ہوا اور میرے ہمراہ میرے پیرزادہ سجادہ شیخ نصیر الدین تھے۔ تو وہاں عظیم القدر مجاور مولانا مسعود سے ملاقات کی جن کی عمر قریبًا اسّی سال کے تھی۔ صاحب موصوف کے باپ دادا مولانا احمد بن محمد مخدوم قاضی تاج بن مخدوم قاضی شمس الدین دہلوی نبیرۂ امام محمد شیبانی خواجہ بزرگ کی خدمت سے مشرف تھے۔

اِس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ اس مقام پر مولانا مسعود سے مولانا مسعود ابن خواجہ فخر الدین مراد نہیں ہیں۔

البتہ اب اسوقت ہمارے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ مولانا مسعود ابن مولنا احمد کے متعلق بھی کچھ بیان کیا جائے۔ ہم نے خود صاحب تذکرۃ المعین سے یہ روایت سُنی ہے اور صاحب موصوف علیہ الرحمۃ نے حضرت منشی سید محمد قائم علی رحمۃ اللہ علیہ سے اس واقعہ کی سماعت فرمائی ہے جن کا سن مبارک سنو سال سے زیادہ ہوا ہے۔ صاحب موصوف کا بیان ہے کہ بنیاد سلطنت مغلیہ سے پہلے کچھ اور لوگ بھی ہمراہیان خواجہ کی اولاد سے خدمتِ آستانہ میں اولاد حضرت خواجہ فخر الدین کے شریکِ حال رہے تھے چنانچہ ہمارے بیان کی تائید خود کتاب تذکرۃ المعین کی یہ عبارت بھی کرتی ہے۔

"خواجہ بزرگ کا مزار برہنہ و خام تھا اور ایک درخت انار مزار پر لگا تھا اور چند مخلصین مریدین و اعزا کی اولاد سے جو خدمت حضرتِ خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ سے سرفرازی پائے ہوئے تھے۔ گرد آستانہ انھیں کے مکانات تھے وہی جاروب کشی و روشنی مزار شریف کر کے محض توکل و تجرید میں بسر کرتے تھے، اُن حضرات میں فقط اب دو فریق کی اولاد باقی ہے ایک شیخزادہ کہلاتے ہیں جو حضرت خواجہ محمد یادگار رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کہلاتی ہے چنانچہ تعلقات و

خدمات آستانہ اور نیز جاگیر و معافیات میں ابتک پورے پورے حقوق اُن کو حاصل ہیں - مزار خواجہ محمد یادگار کا گنبد حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ سے بالین کو جانب شرق احاطہ پختہ میں بنا ہوا ہے اور اسی طرح آجتک مشہور رہے جیساکہ اُنکی اولاد سے اس کی تصدیق ہو رہی ہے -

دوم گروہ سیدزادگان ہے جو حضرت خواجہ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کہلاتے ہیں - الخ

گروہ شیخزادگان تو آجتک خدمت آستانہ میں اولاد حضرت خواجہ فخر الدین کے شریک حال ہیں لیکن اور متوسلین آستانہ مجاورین مزار پُرانوار کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ہے اسی لئے ہم مولانا مسعود ابن شیخ احمد کے حالات لکھنے سے قاصر ہیں -

اگر بعض خردمندان مجہول کو اس پر یہ اعتراض ہو کہ شیخ جمالی نے اپنے تذکرے میں صرف مولانا مسعود ہی کا ذکر کیا ہے اور دیگر مجاورین آستانہ کا نام تک نہیں لیا پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خادمان نائب النبی اولاد حضرت خواجہ فخر الدین حاضری مولانا جمالی کے وقت اجمیر میں نہیں تھی بلکہ مجاورت آستانہ کا شرف صرف مولانا مسعود ہی کو حاصل تھا -

لیکن اُنھیں معلوم نہیں کہ دنیا کا عام دستور یہ ہی کہ صرف اعاظم رجال کا ذکر

کیا جاتا ہے ممکن ہے کہ مولانا مسعود بحیثیت علم و فضل تمام مجاورین آستانہ سے ممتاز ہوں ۔ اسکے علاوہ مولانا جمالی جیسا مختصر نویس واقعہ نگار جسکے قلم سے مشاہیر اسلاف کے مشہور ترین حالات بھی صفحہ قرطاس پر نہیں آئے کیسے پوری صراحت فرماتے اور حقیقت یہ ہے کہ انکی شان تذکرہ نویسی کے خلاف بھی تھا ۔

وصال و مزار ۲۶ رجب ۶۴۲ھ میں خواجہ بزرگ کے وصال کے دس سال بعد ترانوے ۹۳ سال کی عمر میں آپ نے وصال فرمایا ۔ خواجہ بزرگ کے بائیں جانب آپ کو دفن کیا گیا ۔ چنانچہ اسوقت گنبد مقدسہ کی ایک حجرہ میں مزار مبارک ہے اور ریختہ سنگین تعمیر کیا ہوا ہے ۔ مزار پر انوار نائب النبی کے تمام ملبوسات آپ ہی کے مزار مبارک پر رکھے جاتے ہیں ۔ نیز دیگر لوازمات غسل و خوشبو نقرئی آفتابے اور نقرئی اگر دانی وغیرہ اسی حجرہ میں رہتی ہیں جسمیں آپ کا مزار مبارک ہے ، سبحان اللہ ما اعظم شانہ عالم حیات میں جو شرف قرب و خدمت حاصل تھا بحمد اللہ کہ بعد وصال بھی اسی قرب و خدمت کی سعادت ظاہری و باطنی نصیب ہے ۔ ع ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد ۔
صاحب احسن السیر وغیرہ نیز اجمیر گائڈ مؤلفہ نثار الملک میر احدی صاحب کا بیان بھی اِس کا شاہد ہے ۔

وصال زوجہ محترمہ وصال زوجہ محترمہ کی نسبت کوئی روایت مشہور نہیں ہے اسلئے ہماری خاموشی مجبوری ہی ۔ مزار مبارک حضرت خواجہ فخر الدین کے پائیں ہی ہے

چنانچہ موجودہ صورتمیں گنبد کے دوسرے حجرہ کے اندر قبر شریف ہی۔

عرس ہر سال رجب کی چھبیسوین ۲۶ شب کو مجلس سماع منعقد ہوتی ہے اور ۲۶ تاریخ کو قل ہوتا ہے۔

کتاب تذکرۃ المعین میں اسکی پوری صراحت کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہی۔

چھبیسویں رجب کو تزک واحتشام کے ساتھ آپ کا عرس ہوتا ہی سنگی دالان کے روبرو مجلس سماع منعقد ہوتی ہی تزکِ مجلسِ خواجہ بزرگ کے اکثر لوازمات جیسے نقرئی اگردانی فرش فروش اور ملازمین درگاہ جیسے چوبدار و مولودخواں و قوالان نقارچیان وغیرہ اس میں موجود ہوکر سرانجام کرتے ہیں خرچ شیرینی خزانہ درگاہ شریف سے کچھ مقرر ہے باقی صاحبزادگان اپنی ذاتی آمد سے اُس میں صرف کرتے ہیں فقرا و مساکین و حاضرین آستانہ کو نان وحلوا و زر و پارچہ وغیرہ تقسیم کرتے ہیں۔ فرش و فروش درگاہ شریف سے دیا جاتا ہے شیشہ آلات روشنی وغیرہ کچھ درگاہ شریف سے جو صاحبزادگان کے اختیار میں ہیں اور کچھ اپنے ذاتی کہ محفل محرم شریف کی اُن سے زینت مجلس کرتے ہیں۔ نیز کتاب احسن السیر وغیرہ کا بیان ہے کہ آپ کا عرس مبارک بڑی دھوم سے ہوتا ہے۔
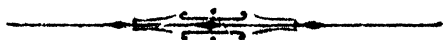
اولاد امجاد

اس عنوان پر تفصیلی روداد لکھنے کے وقت اعاظم رجال کے حالات علیحدہ علیحدہ سپرد قلم کئے جائیں گے لیکن اس وقت بلحاظ اختصار اجمالاً کچھ پیش کیا جاتا ہے۔ کتاب احسن السیر کا بیان ہے اور بعض دیگر کتب اس کی موئد ہیں۔

انہی (خواجہ فخر الدین) کی اولاد میں یہاں کے خدام ہیں جن کی تعداد کسی وقت میں گیارہ سو تک بتاتے ہیں مگر اب یہی چھ سات سو کے قریب موجود ہیں یہی صاحب زواروں کو زیارت کراتے ہیں۔ ہر ایک شخص ادنیٰ و اعلیٰ اپنی حیثیت و مقدور کے موافق ان کو دیتا ہے عہد سلاطین مسلمین خصوص اکبر بادشاہ نورالدین جہانگیر و فرخ سیر نے ان لوگوں کو دیہات جاگیریں بطور مدد معاش دیئے ہیں اور اب بھی وہ دیہات جاگیر جن کی آمدنی سالانہ تخمیناً چھ ہزار کے قریب ہے جناب ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند کے عہد معدلت مہد میں قائم و برقرار ہے۔

صاحب احسن السیر کو اس مقام پر غلط فہمی ہوئی ہے شاہان مغلیہ کی عطا فرمودہ جاگیر ساڑھے سات گاؤں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے، (۱) ہیر، (۲) رائے گڑھ، (۳) کانکنیا واس، (۴) ہیونجہ، (۵) ہنیوڑی، (۶) موڑا جھڑی، (۷) گیگل، نصف ناندلہ،

زمانہ شاہی میں ان کی آمدنی کم و بیش ہزار روپیہ سالانہ تھی اور آج تقریباً

تیس ہزار سالانہ آمدنی ہے ہمارے خیال میں ان کی عنان انتظام اگر ایک شخص کے ہاتھ میں ہو تو یقیناً پچاس ہزار روپیہ سالانہ آمدنی ہو جائے۔

باہر حال یہ ایک بالکل صحیح واقعہ ہے کہ حضرت خواجہ فخر الدین کی رحلت کے بعد آپ کی اولاد امجاد نے کسی وقت بھی نائب النبی کا دامانِ کرم اور آستانہ اقدس نہیں چھوڑا یہاں تک کہ اک زمانہ آیا جبکہ شرک و کفر کی گھٹائیں پھر اجمیر پر محیط ہو گئیں۔ قحط و وبا کے مصائب نے مخلوق خدا کو مضمحل کر دیا لیکن اس دور ابتلا میں بھی ان مستقل مزاج ہستیوں نے خدمت مزار پُر انوار سے منہ نہیں موڑا بلکہ ایک وقت تو جنگل کی پتیاں اور پھل وغیرہ ان کی قوتِ لایموت تھی۔

آزمائش ہے نشانِ بندگانِ محترم
جانچ ہوتی ہے اُسی کی جس پہ ہوتا ہے کرم

چنانچہ بفضلہ تعالیٰ سبحانہ آج بھی اپنے آبائی حقوق پر قابض و متصرف اور خدمت مرقد پُر طہارت سے بہرہ اندوز سعادت ہیں۔ وانکار البداھۃ خلاف العقل والنقل۔ ہمیں یاد ہے کہ اپنے ابتدائی زمانہ میں ہمنے ایک بزرگ قوم سے یہ روایت سُنی تھی کہ ایک وقت ایسا آیا جبکہ اجمیر شریف سے اسلامی اقتدار رخصت ہو گیا۔ پس کچھ عرصہ تک تو وابستگان دامن ولایت نے خوش و ناخوش حکومت اور اس کی تعدی پر کوئی فریاد نہیں کی لیکن بالآخر تنگ آکر بادشاہ وقت کے حضور میں درخواست بھیجی چنانچہ والی سلطنت خود یہاں آئے اور دار الخیر

اجمیر میں معرکہ آرائی ہوئی۔ اسلامی علم بلند ہوا۔ اور پرستاران توحید کو کامیابی نصیب ہوئی، اس فتح و نصرت کے بعد مظفر و منصور بادشاہ نے خادمان نائب النبی کی زر نقد سے خدمت کی تاکہ برداشت زحمت کا نعم البدل ہوجائے۔ چونکہ اس روایت کی سماعت ایسے وقت میں ہوئی تھی جبکہ ہمیں یہ بھی ہوش نہیں تھا کہ ہندوستان کس وقت شاہان اسلام۔ کے زیر نگیں آیا۔ اور کب دولت اسلامیہ کی بنیاد قائم ہوئی اور کس زمانہ میں تاجداران اسلام سے کسی تاجدار نے خاص اجمیر میں معرکہ آرائی کی۔ اسلئے اُس وقت اس روایت کو ہمنے بزرگ موصوف کے زمانہ کبرسنی کے ملفوظات سے تعبیر کی اور کسی وقت بھی نگاہ اعتنا سے اس روایت کو نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ زندگی کے مختلف دَور گزرے جن میں مختلف کتابیں اور تاریخیں ہماری نگاہ سے گزریں لیکن اسوقت معلوم ہوا کہ بزرگ موصوف نے جو سماعی روایت بیان فرمائی تھی بالکل صحیح و درست ہی اور اُسیوقت سے ہمیں اپنی زبانی روایات کی قدر ہوئی۔ تاریخ مالوہ کا بیان ہے۔

جب ۸۵۹ھ شروع ہوا سلطان (محمود خلجی) مندسور کی طرف روانہ ہوا مندسور کے نواح میں ڈیرہ کیا فوج کو ہر طرف بھجوایا۔ ہر روز فتح کی تازہ خبر آنے لگی لوٹ مار سے راجہ کے ملک میں ویرانی ہوئی اس عرصہ میں ایک عرضی اجمیر سے آئی بادشاہ کے پاس لکھا تھا حضرت خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ اجمیر میں آسودہ ہیں مسلمان یہاں

بہت بستے ہیں، یہ شہر کافروں کے قبضہ میں گیا، اثر اسلام ومسلمانی
کا باقی نہ رہا، سلطان نے عرضی پڑھ کر ادل غور تا دیر کی، بعد غور
کے اجمیر جانے کی تیاری کی فوراً روانہ ہوا کوچ بلا فصل مقام کیا،
صبح سے تا شام راہ طے ہوتی تھی اور کبھی مقام پر پہنچتے پہنچتے رات
ہوجاتی تھی، بہت جلد اجمیر پہنچا خواجہ صاحب کے مزار کے پاس خیمہ کھڑا
کیا خواجہ صاحب کی روح سے مدد مانگی قلعہ کے گرد فوج متعین کی مورچل
لگائے ساباط طیار کئے۔ گجادھر قلعہ دار معہ پیادہ وسوار قلعہ سے
نکلا حسب مقدور خوب لڑا آخر قلعہ میں چلا گیا، پانچویں دن پھر گجادھر
نے لڑنے کی طیاری کی قلعہ سے اُتر کر لڑائی شروع کی گجادھر مارا گیا
اُس کا لشکر بھاگا مسلمانوں نے پیچھا کیا دوست ودشمن ملے جلے قلعہ
میں پہنچے، اندر قلعہ کے لڑنے لگے سلطان نے تو اتر وار لشکر قلعہ میں
بھجوایا راجپوت مارے گئے قلعہ فتح ہوا سلطان محمود (خلجی) نے
اندر قلعہ کے مسجد بنوائی حکومت خواجہ نعمت اللہ کو سیف خاں خطاب
دیکر عطا کی اور اجمیر سے روانہ ہوا۔

کتاب تاریخ فرشتہ رقمطراز ہے

سلطان محمود خلجی مراسم شکر الٰہی بتقدیم رسانیدہ شرفِ طوافِ آں بزرگوار	سلطان محمود خلجی مراسم شکر الٰہی بجا لائے اور خواجہ بزرگ کے روضہ اقدس کا طواف

دریافت و مسجد عالی طرح انداختہ خواجہ نعمت اللہ را سیف خاں خطاب دادہ حکومت آنجا بوے تفویض نمود، و مجاوران آں بقعہ شریفہ را بانعام و وظیفہ خوش دل ساختہ بصوب قلعہ منڈل گڑھ مراجعت کرد۔	کیا، ایک مسجد کی طرح ڈالی خواجہ نعمت اللہ کو سیف خاں کا خطاب دیا اور وہاں کی حکومت اُن کو تفویض کی اور اُس بقعہ شریفہ کے مجاورین کو انعام و وظیفہ سے خوش دل بنایا پھر قلعہ منڈل گڑھ روانہ ہوئے۔

اس روایت کے مطالعہ سے حقیقت آشکارا ہوگئی۔ ورنہ ایک زمانہ تک خود ہمیں اس کی صحت میں شبہ تھا کتاب تاریخ مالوہ میں مجاورین آستانہ کو انعام فرمانے کا حال مرقوم نہیں البتہ تاریخ فرشتہ میں معرکہ آرائی کا حال لکھنے کے بعد مجاورین آستانہ اقدس کا ذکر کیا گیا ہے چونکہ تاریخ فرشتہ میں تاریخ مالوہ کے مطابق حال درج تھا اسلئے مدعا کے مطابق مختصر عبارت نقل کردیگئی۔

تاریخ مالوہ میں قلعہ پر مسجد بنوانے کا حال درج ہے لیکن عام مورخین کی یہہ رائے ہے کہ خواجہ بزرگ کے آستانہ پر مسجد بنوائی گئی چنانچہ وہ اب بھی موجود ہی اور غلط فہمی سے عالمگیری مسجد کے نام سے موسوم ہے۔

سچ یہ ہے کہ زبانی روایات ہر تاریخ کی جان ہیں دنیا کی کسی قوم کی حالات جو آج صفحات تاریخ پر نمایاں ہیں کسی زمانہ میں وہ تمام واقعات اُسی قوم کے افراد کی زبانوں پر تھے۔ اور جنہیں کبھی زبانی روایات کہا جاتا تھا اب زمانہ آیا اور تاریخ

و تذکرہ میں یہی روایات قلمبند ہوگئیں تو آج ایک مستقل تاریخ سے موسوم ہوئیں
اور اب اسی تاریخ سے استناد کیا جاتا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ زبانی روایت
ایک مورخ نے کبھی نہیں تسلیم کی جو عقل و نقل کے خلاف تھی البتہ ایک تذکرہ نویس
نے کبھی اس پر غور نہیں کیا چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جھوٹی سچی تمام روایات تذکروں میں
پائی جاتی ہیں۔
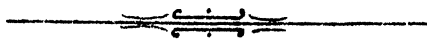
غلط فہمی کی اصلاح

کتاب معین الاولیا جو اجمیر شریف میں تصنیف ہوئی اور دیوان امام الدین علی خاں صاحب مرحوم کی جنبش قلم کا
اثر ہے خانوادہ صاحبزادگان والاتبار خادمان نائب النبی کے متعلق کتاب مراۃ الاسرار
کے حوالہ سے اس طرح رقمطراز ہے۔

مجاوران آں آستانہ متبرکہ خواجہ بزرگ نیز منسوب اندبہ اولاد سید فخر الدین میگویند کہ سید فخر الدین از کڑہ مانکپور بودہ است واز غلبہ اعتقاد و محبت روحانیت خواجہ بزرگ وطن گزاشتہ در اجمیر اقامت اختیار نمود چنانچہ فرزندان او ہنوز در خدمت آستانہ متبرکہ موجود اند و صلاح واہلیت	آستانہ خواجہ بزرگ کے مجاوران سید فخر الدین کی اولاد ہیں سید فخر الدین کڑہ مانک پور کے رہنے والے تھے، خواجہ بزرگ کی روحانیت کے ساتھ محبت و اعتقاد کے غلبہ سے ترک وطن کرکے اجمیر میں قیام کیا چنانچہ اُن کی اولاد اب بھی آستانہ پاک پر موجود ہے

پسندیدہ دارند و با ہر کس بہ تواضع و اخلاص پیش می آیند۔	اور صلاح و اہلیت پسندیدہ رکھتی ہے اور یہ لوگ ہر ایک شخص کیساتھ تواضع اور اخلاص سے پیش آتے ہیں

صاحب اقتباس الانوار نے اس روایت کو مراۃ الاسرار سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے ۔

مجاوران آستانہ حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہ از اولاد میر سید فخر الدین ساکن قصبہ کڑہ می گویانند و زبانی آنہا معلوم شد کہ سید فخر الدین از اکابر سادات عالی نسب قصبۂ مذکور بودہ است بہ سبب روحانیت پاک حضرت خواجہ بزرگ از وطن انتقال نمودہ در حضرت اجمیر سکونت اختیار کرد چنانچہ فرزندان او ہنوز در خدمت آستانہ متبرکہ موجود اند وصلاح و اہلیت دارند و با ہر کسے بتواضع و اخلاص پیش می آیند۔	آستانہ خواجہ بزرگ کے مجاورین میر سید فخر الدین ساکن قصبہ کڑہ کی اولاد کہلاتے ہیں اُن کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ سید فخر الدین عالی نسب اور اکابر سادات کڑہ سے ہیں۔ خواجہ بزرگ کی پاک روحانیت کی وجہ سے ترک وطن کرکے اجمیر میں سکونت اختیار فرمائی چنانچہ اُن کے فرزندان اب بھی آستانہ متبرکہ کی خدمت میں موجود ہیں اور صلاح و اہلیت رکھتے اور ہر شخص کے ساتھ تواضع و اخلاص سے پیش آتے ہیں ۔

دونوں کتابوں میں نفسِ روایت کتاب مراۃ الاسرار سے نقل کی گئی ہے

جسے عہد سلطنت شاہجہانی میں صوفی عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے تصنیف فرمائی ہے۔ ہم اصل کتاب مراۃ الاسرار تلاش وجستجو کے بعد بھی نہیں حاصل کرسکے البتہ دو سال کا عرصہ ہوا جب مراۃ الاسرار کا ایک قلمی نسخہ ہماری نگاہ سے گزرا تھا۔ اور ہم نے یہ روایت نقل کرلی تھی چنانچہ اسوقت بھی قلمی نسخہ حضرت امام جی صاحب امام مسجد حضور محبوب الٰہی کے پاس ہے لہٰذا اسوقت اصل کتاب مراۃ الاسرار کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔

مجاوران آستانہ متبرکہ خواجہ بزرگ منسوب اند بہ اولاد سید فخر الدین و گویند کہ سید فخر الدین از اولاد سید ابوالحسن ساکن کڑہ مانک پور بودہ است و از غلبہ اعتقاد و محبت روحانیتِ خواجہ بزرگ وطن را گزاشتہ در اجمیر آمدہ استقامت اختیار نمود چنانچہ فرزندان او ہنوز در خدمت آستانہ متبرکہ موجود اند و صلاح و اہلیت پسندیدہ دارند۔	آستانہ متبرکہ خواجہ بزرگ کے مجاورین سید فخر الدین کی اولاد ہیں اور کہتے ہیں کہ سید فخر الدین سید ابوالحسن ساکن کڑہ مانک پور کی اولاد سے ہیں اور خواجہ بزرگ کی روحانیت کی عقیدت ومحبت کی وجہ سے ترک وطن کرکے اجمیر میں قیام کیا چنانچہ اُن کی اولاد خدمت آستانہ میں اب بھی موجود ہے اور صلاح واہلیت پسندیدہ رکھتی ہے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ مراۃ الاسرار کی عبارت کے یہ الفاظ دلائل عقلیہ ونقلیہ سے بالکل صحیح ہیں جیساکہ عنقریب ظاہر ہو جائیگا۔ پس اس نے نگارندۂ نقش

معین الاولیا اور صاحب اقتباس الانوار کی تحریف مسلم ہو جاتی ہے ہمیں صاحب معین الاولیا سے تو کوئی شکایت نہیں ہو سکتی اسلئے کہ تحریف اُن کی خانہ زاد کنیز ہے البتہ مصنف اقتباس الانوار کی تجدید نے ہمیں حیرت میں ڈال دیا۔ لیکن اس میں ایک راز ہے جو کتاب بسوط لکھنے کے وقت فاش کیا جائیگا اور ارباب حل وعقد تو غالباً اسی وقت اس معمہ کو حل فرمالیں ولکن اکثر الناس لا یعلمون بہرحال فی الحال نفس واقعہ کے متعلق صاحب مراۃ الاسرار کو جو غلط فہمی ہوئی ہے اُس کا ازالہ مقصود ہے۔

ہم نے تاریخ کڑہ مانک پور کا مطالعہ کیا اس میں کسی مقام پر سید فخر الدین کا ذکر نہیں ہے نہ کسی بزرگ کی نسبت یہ تحریر ہے کہ صاحب موصوف اجمیر میں جب کر قیام پذیر ہوئے کاش اسیقدر تحریر ہوتا کہ کڑہ مانک پور سے کوئی بزرگ اجمیر جاکر مقیم ہوئے تو شاید مخالفین کے لئے تاویل بیجا کرنے کا زرّیں موقع ہاتھ آجاتا اور وہ کسی نہ کسی طرح انہی بزرگ کے نام نامی کو فخر الدین ثابت کرنے کی بے ہردیا کوشش کرتے مگر بدقسمتی سے یہ تسمہ بھی لگا نہ رہا۔ ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العلمین۔

اخواں کی عداوت سے ہوا شہرہ یوسف
کچھ پیش نہیں جاتی ہے قسمت کے دھنی سے

اتفاق دیکھو کہ تاریخ کڑہ مانک پور میں سید ابو الحسن کا بھی کہیں ذکر نہیں ہے

مگر ہم سمجھتے ہیں کہ سید آحسن کی کنیت ابوالحسن تھی اسلئے کہ اُن کے ایک فرزند رشید کا نام حسن بھی ہے ہمارے اس بیان کی صداقت ابھی ابھی ظاہر ہوجاتی ہے کہ سید آحسن کی کنیت ابوالحسن تھی پہلے ابوالحسن سید احسن کے متعلق مورخ کا جو بیان ہے وہ ملاحظہ فرمالیا جائے

عبارت تاریخ کڑہ مانک پور

بزمانِ شاہانِ لودھی سید آحسن معہ چند اکابر خاندان سادات قصبہ ہانس مضافاتِ خراسان سے وارد شہر دہلی ہوئے اور بہنگام بلوہ راجگان کنتت وارد قصبہ کڑہ ہوئے چنانچہ ان کے ساتھیوں میں سالار ہانس اور یار ہانس تھے جن کے مقبرہ قصبہ شہزادہ پور میں واقع ہیں اور قبر سید آحسن مورثِ خاندان زمینداران موضع دارانگر و محلہ قطبی میں موجود ہے۔

"نسب نامہ"

سید آحسن بن سید محمد بن سید فخرالدین بن سید محسن بن سید محمد بن سید احمد بن سید صدرالدین بن سید نظام الدین بن سید ابوالفتح بن سید ابوالقاسم بن سید جمال الدین بن سید حسین بن حضرت امام علی رضا علیہ السلام۔

سید احسن کا یہ شجرہ نسب جو تاریخ کڑہ مانک پور مطبوعہ سنہ ۱۹۱۶ء میں درج
ہے ہمارے شجرہ نسب سے بالکل مطابق ہے جیسا کہ نقشہ ذیل سے ظاہر ہوتا ہے،

نسب سید احسن	نسب خواجہ فخرالدین	نسب سید احسن	نسب خواجہ فخرالدین	نسب سید احسن	نسب خواجہ فخرالدین	نسب سید احسن	نسب خواجہ فخرالدین
سید احسن	.	سید محسن	.	سید صدرالدین	سید صدرالدین	سید ابوالقاسم	سید ابوالقاسم
سید محمد	.	سید محمد	خواجہ فخرالدین	سید نظام الدین	سید نظام الدین	سید جمال الدین	سید جمال الدین
سید فخرالدین	.	سید احمد	سید احمد	سید ابوالفتح	سید ابوالفتح	سید حسین	سید حسین

اب دونوں شجروں کی مطابقت بداہتہً ظاہر ہے۔ رسالہ فضائل خواجہ میں
سید نظام الدین کے بجائے سید نجم الدین لکھا ہوا ہے اور صاحب تذکرۃ المعین
بھی اسی کے موید ہیں لیکن قلمی شجروں میں صاف طور پر سید نظام الدین لکھا ہوا ہے
پس ایسی حالت میں یہ اختلاف کبھی اختلاف نہیں کہا جا سکتا بلکہ یقیناً سہو کاتب
سمجھا جائیگا۔

ہاں اگر شجرے میں کوئی اختلاف ہی تو یہ ہے کہ تاریخ کڑہ میں سید حسین،
ابن امام عالی مقام علی رضا علیہ السلام تحریر ہے جس سے اولاد سید ابوالحسن احسن
رضوی ثابت ہوتی ہے اور ہمارے نسبی شجروں میں سید حسین ابن امام عالی مقام
موسیٰ کاظم علیہ السلام مرقوم ہے جس سے خادمان نائب النبی کا کاظمی الاصل ہونا
محقق ہوتا ہے۔ اب یہ یقینی امر ہے کہ دونوں خاندانوں میں سے کسی ایک سے نے

ضرور غلطی کی - یا ہمارے اسلاف کرام سے امام عالی مقام علی رضا علیہ السلام کا نام نامی سہواً رہ گیا یا اولاد پاک تہا د سید احسن نے غلطی سے امام موصوف و محمد و ح کا اسم گرامی ایزاد کردیا - لیکن دونوں صورتوں میں سیادت قطعاً ثابت ہوتی ہے پس اس غلطی کو غلطی نہیں کہا جاسکتا اور نہ اس سے شرف سیادت پر کوئی حرف آسکتا ہے - ایسی صورت میں اس عنوان پر قلم اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن چونکہ شان تحقیق کی وضع کے یہ خلاف ہے اسلئے اک مختصر بحث کی جاتی ہے اور صراحت آئندہ کے لئے چھوڑ دی گئی -

امام عالی مقام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادگان والاتبار میں حضرت حسن اور حضرت حسین کا ہونا اہل سنت والجماعت اور اہل تشیع دونوں فریق کے نزدیک مسلّم ہے چنانچہ کتاب معالم العترۃ اور کتاب ارشاد میں اس کی تصریح موجود ہے نیز ملا علی قاری کا بیان ہے

موسیٰ ابن جعفر محمد العلوی الکاظم روی عن ابیہ وعبداللہ بن دینار ولم یدرکہ وعنہ ابنہ علی الرضا واخواہ علیؑ ومحمدؑ بنوہ ابراھیم واسمٰعیل وحسین ط	موسیٰ کاظم ابن جعفر بن محمد باقر علوی نے اپنے والد ماجد سے اور عبداللہ بن دینار سے روایت حدیث کی ہے اور عبداللہ بن دینار سے نہیں ملے - اور امام موسیٰ کاظم سے اُن کے فرزند علی رضا اور اُنکے بھائی علی و محمد اور اُنکے اور فرزند ابراہیم و اسمٰعیل و حسین نے روایت حدیث کی ہے

"ابوحاتم کہتے ہیں"

روی عنه بنوه علی الرضا وابراهيم واسمٰعيل وحسين و اخواه علیؑ ومحمدؑ ط	(امام موسیٰ کاظم) سے اُنکے فرزندان ارجمندان علی رضا، ابراہیم، اسمٰعیل، حسین اور اُن کے بھائی علی و محمد نے روایت حدیث کی ہے۔

ان دونوں بیانات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حسین فرزندان حضرت امام عالی مقام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے تھے۔

"صاحب مراۃ الانساب کا بیان ہے"

آپ کی (امام موسیٰ کاظم کی) اولاد بقولے ۲۳ صاحبزادے، ۳۷ لڑکیاں یا ۱۹ جس میں ۴ اصاحبزادوں سے آپ کا سلسلہ نسب جاری ہوا۔

خلکان وعمدۃ الطالب

لیکن اہل تشیع کے نزدیک امام عالی مقام حضرت علی رضا علیہ السلام کی نسل مطہر صرف امام محمد تقی علیہ السلام سے جاری ہوئی جیسا کہ شیخ مفید کتاب ارشاد میں تحریر کرتے ہیں کہ امام محمد تقی علیہ السلام کے سوائے امام عالی مقام علی رضا علیہ السلام کے کوئی فرزند ارجمند نہیں تھے۔

اور اہل سنت والجماعت میں سے شیخ ابن الاخضر نے اپنی کتاب معالم العترۃ میں حضرت امام عالی مقام علی رضا علیہ السلام کے پانچ فرزندان ارجمندان تحریر کئے ہیں، امام محمد تقی، حسن، جعفر، ابراہیم، حسین، لیکن نسل جاری ہونے کا حال سوائے

امام تقی علیہ السلام کے کسی سے نہیں لکھا۔

"صاحب مراۃ الانساب کا بیان ہے"

"آپ کی (امام علی رضا کی) اولاد بعض کے قول سے سوائے امام محمد تقی اور نہیں ہوئی لیکن روایت صحیح سے آپ کے تین لڑکے اور ایک اعتبار سے پانچ لڑکے، ایک لڑکی لیکن سلسلہ تقی الجواد اور موسیٰ اور ابراہیم سے ہے۔ خلکان۔"

ان روایات و بیانات کے مطالعہ سے صراحۃً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جمال الدین ابن حسین، ابن امام عالی مقام موسیٰ کاظم علیہ السلام صحیح ہے اور امام عالی مقام علی رضا علیہ السلام کا نام نامی غلطی سے لکھدیا گیا ہے۔

شجرۂ مندرجہ بالا سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سید ابو الحسن کے جد بزرگوار کے جد بزرگوار حضرت سید محمد اور خواجہ فخر الدین دونوں برادران حقیقی ہیں اور خواجہ احمد کے فرزندان ارجمندان۔

پس اولاد حضرت سید ابو الحسن احسن اور اولاد حضرت خواجہ فخر الدین یقیناً ہم جد ہیں۔ چنانچہ ہمارے آبا و اجداد کی زبانی روایت یہ تھی کہ اولاد سید ابو الحسن جو کڑہ میں آباد ہے نسباً ہماری ہمجد ہے مصنف مراۃ الاسرار صوفی عبد الرحمن مرحوم کو اس باب میں غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے غلطی سے یہ سمجھا کہ جب خاندان خواجہ بزرگ اور اولاد سید ابو الحسن دونوں ہمجد ہیں تو گویا یہ لوگ بھی سید ابو الحسن

ساکن کڑہ کی اولاد ہیں جیسا کہ اُن کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے نفس واقعہ کی حیثیت سے قطعاً صحیح ہے کہ اولاد سید آبو الحسن ہمارے برادران ہمجد ہیں البتہ یہ غلط ہے کہ آبو الحسن ہمارے مورث اعلیٰ ہیں۔

اسکے علاوہ خادمانِ آستانہ نائب النبی کا سید آبو الحسن کی اولاد پاک نہاد سے ہونا ایک ایسی غلطی ہے جو اظہر من الشمس ہے۔ شجروں سے اس کی تردید ہو چکی، اب ضرورت نہیں کہ اس پر خامہ فرسائی کی جائے لیکن ممکن ہے کہ بعض سادہ لوح اس حقیقت سے اب بھی واقف نہ ہو سکیں اسلئے اِس کی صراحت بھی ہم ضروری سمجھتے ہیں۔

یوں سمجھنا چاہیئے کہ شاہانِ لودھیہ کے زمانہ حکومت میں آبو الحسن سید حسن وارد دہلی ہوئے اور ہنگامہ راجگان کنتت کے وقت دہلی سے کوچ فرما کر کڑہ میں تشریف لائے۔ تاریخ کڑہ مانک پور کا بیان ہے کہ ۸۹۰ھ میں راجگان کنتت کا ہنگامہ برپا ہوا اور اسوقت سکندر شاہ لودھی بادشاہ دہلی تھا۔ پس ثابت ہوا کہ ۸۹۰ھ میں سید آبو الحسن دہلی سے کڑہ تشریف لائے۔ اب چونکہ صاحب مراۃ الاسرار کا بیان ہے کہ خواجہ سید فخر الدین اولاد حضرت سید آبو الحسن سے ہیں اسلئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خواجہ فخر الدین سید آبو الحسن کے فرزند ارجمند ہیں کیونکہ اگر حقیقت حال یوں ہوتی تو صاحب مراۃ الاسرار صاف الفاظ میں خواجہ فخر الدین ابن سید آبو الحسن تحریر فرماتے۔ پس لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ صاحب

مراۃ الاسرار کے نزدیک خواجہ سید فخر الدین حضرت ابو الحسن کے پوتے تھے
اب چونکہ مولانا سید محمد مسعود خواجہ فخر الدین کے فرزند ارجمند ہیں لہذا سید
ابو الحسن مولانا مسعود کے جد بزرگوار کے والد بزرگوار ہوئے۔

ان مقدمات کو تسلیم کر لینے کے بعد اب غور کرنا چاہیئے کہ مقاسمہ حقوق جو
فرمان جہانگیری نگاشتہ ۱۰۲۳ھ سے کیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے یہ ثابت
ہوتا ہے کہ اُسوقت اولاد حضرت مولانا سید محمد مسعود سے سو نفر موجود تھے،
اور اسی طرح سید محبوب و سید ابراہیم کی اولاد بھی موجود تھی۔ اب ہمیں اختصاراً
یہ بتانا ہے کہ ۸۹۷ھ کو ۱۰۲۳ھ تک ایکسو چھبیس ۱۲۶ سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ غور کرنا چاہیئے
کہ سوا سو سال میں تین پشتیں پھر تیسری پشت میں ایک فرد کی اولاد سے سو نفر کا
ہونا کہاں تک قرین قیاس ہے اور وہ کون عقلمند ہے جو اسے تسلیم کر سکتا ہے ہمنے
فرماں کی نقل اسلئے نہیں کی ہے کہ کتاب مبسوط میں تمام فرامین کی نقول کے ساتھ
اِس فرمان کی نقل کی جائیگی۔ اِسکے علاوہ صاحب تاریخ کڑہ مانک پور نے سید
فیض اللہ ابن سید حسن ثانی ابن سید علاؤالدین ابن محمد محسن ابن سید مرتضیٰ ابن
سید حسن ابن سید احسن کی نسبت یہ عبارت سپرد قلم فرمائی ہے۔

"برزمرۂ امرایان شہزادہ داراشکوہ ممتاز تھے اُنھوں نے موضع حیرہ لو
خرید کر کے بازار آباد کیا ۱۰۶۸ھ میں محاربہ پرتھی پت سنگھہ تعلقہ پرتابگڑھ
بمقام کھمسرہ شہید ہوئے"

اس عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سید مرتضیٰ اور حضرت خواجہ فخرالدین ہمعصر تھے، کیونکہ دونوں حضرت سید ابوالحسن احسن کے پوتے ہیں، پس اب مولانا سید مسعود ابن خواجہ فخرالدین اور سید محسن ابن حضرت سید مرتضیٰ کی معاصرت بھی قطعاً ثابت ہوتی ہے کیونکہ دونوں برادران عم زاد ہیں، اب چونکہ شہزادہ داراشکوہ شہنشاہ جہانگیر کے پوتے تھے اسلئے یہ بھی تسلیم کرلینا ایک لازمی امر ہے۔ سید علاؤالدین بن سید محمد محسن ابن سید مرتضیٰ شہنشاہ جہانگیر کے ہمعصر تھے پھر چونکہ سید مولانا مسعود ابن خواجہ فخرالدین اور سید محسن ابن سید مرتضیٰ ہمعصر تھے اسلئے ان کی اولاد میں بھی معاصرت لازمی ہے پس سید نصیرالدین ابن مولانا سید مسعود کا بھی عہد جہانگیری میں ہونا قطعی اور یقینی خیال کرنا چاہیے کہ از روے فرمان جہانگیری اولاد مسعود سے سے نئو نفر ہونا اب کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

اسکے علاوہ صاحب تاریخ کڑہ مانک پور نے سید احسن کی جو موجودہ اولاد بتائی ہے ان کا سلسلہ نسب تیرہویں پشت میں سید احسن پر منتہی ہوتا ہے اور رودمان خادمان نائب النبی کے موجودہ اکثر افراد کا سلسلہ نسب اٹھارہویں واسطے میں حضرت خواجہ فخرالدین تک پہنچتا ہے اور حضرت سید احسن تک پہنچنے میں سلسلہ کی پوری بیس کڑیاں ہوجاتی ہیں گویا نسب نامہ خادمان نائب النبی میں سات واسطے

زیادہ ہیں۔ پس خواجہ فخر الدین کسی طرح اولاد سید ابو الحسن سے نہیں ہو سکتے۔

خطاب صاحبزادہ

عام طور سے بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت تاجدار دودۂ چشت خواجہ خواجگان محب النبی مولٰنا فخر الملت والدین دہلوی رضی اللہ عنہ رونق فزاے اجمیر ہوئے اور زیارت مرقد پر طہارت کی سعادت حاصل فرمائی تو اسوقت خادمان نائب النبی کی نسبت زبان حق ترجمان پر یہ الفاظ تھے کہ میرے نزدیک آپ لوگ صاحبزادگان ہیں چنانچہ آپ نے ہمیشہ ہر خادم نائب النبی کو صاحبزادہ کہکر یاد فرمایا چنانچہ آج بھی موجودہ مشائخ طریقت کا یہی دستور بحالہ قائم ہے۔ پس یقیناً یہ ہمارا تمغہ امتیاز ہے ہم اسے عطیۂ شاہی سمجھتے ہیں اور ہر فرد قوم کو اپنے نام کے ساتھ حاسدین کے علی الرغم لفظ صاحبزادہ تحریر کرنا چاہیے اسلئے کہ یہ ہمارا خطاب ہے۔

خادمان نائب النبی، نائب النبی کی اولاد ہیں

اے معین از سر زنش ہائے حسوداں غم مخور
خون دل عشاق را آزار یا بد پرورش

ہز اکسلنسی راجہ راجایان مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ بالقابہ دام بالاقبال نے اپنے قلم سے جو سفرنامہ تحریر فرمایا ہے اس میں صاحبزادگان معروف بخادمان نائب النبی کو خواجہ بزرگ کی اولاد بتایا ہے علاوہ ازیں اور بھی کچھ مثالیں اس کی شاہد ہیں اور اس کا ظاہر سبب یہ ہے کہ مزار پر انوار وارث خاتم المرسلین کے ساتھ خادمان نائب النبی کو رشتۂ

توسل اور تعلق رسوخ ٹھیک اس طرح حاصل ہے جس طرح اولاد کو اپنے جد امجد کے مزار کے ساتھ ہو سکتا ہے ہم اس پر تفصیلی بحث ہی کسیوقت کرینگے۔

اب یہ عقیدتمندان نائب النبی سے لڑائی کی جائے کہ وہ عاشقان خواجہ ساکنان کوئے دوست اور غلامان خواجہ کو کس لئے عقیدت کیشانہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ہمارے اسلاف کے لئے کوئی مشکل امر نہ تھا کہ وہ کسی زمانہ میں اولاد خواجہ بن بیٹھتے اور آج کسی شخص کو مجال گفتگو باقی نہ رہتی لیکن انہیں باطل نوازی اور فریب آرائی نہیں آتی تھی اُن کے دل اس کثافت سے پاک تھے اُنھوں نے ہمیشہ خدمت مزار پر انوار کو فخر و اعزاز کا انتہائی مرتبہ سمجھا اور آج اُن کی اولاد بھی خادم خواجہ بزرگ ہونے کو اپنی خوش نصیبی اور خوش اقبالی سمجھتی ہے۔

تا ز میخانہ و مے نام و نشاں خواہد بود
سر ما خاک رہ پیر مغاں خواہد بود

خاتمہ

یہ چند فانی نقوش جس ازلی نام سے شروع کئے گئے تھے اُسی ابدی نام پر تمام کئے جاتے ہیں۔ خدا کرے کہ حسن قبولیت پائیں، اور زمانہ میں زمانے تک یادگار باقی رہے۔

يلوح الخط فى القرطاس دهرًا

وكاتبه رميم فى التراب

توفیق الٰہی موید رہی تو عنقریب ایک مبسوط و مفصل رودادِ حیات پیش کیجائیگی جسمیں سرکار اقدس کے مفصل حالات اور اپنے اسلافِ کرام کا تفصیلی تذکرہ سپردِ قلم کیا جائیگا - واخر دعوانا الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین خاتم النبیین وعلیٰ آلہ الطیبین الطاہرین والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ -

۸ ر ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ

آستانہ عالیہ اجمیر شریف

معینی اجمیری

ریختۂ کلک گہر سلک استاذی جناب مولینا محمد غوث الاسلام صاحب مدظلہ غوث بہاری

زہے کلکِ گہر افشانِ معنی
کہ تابش می دہد طبع فطین را

خجے نقش کلام دلکشائش
کہ شرمندہ کند ارژنگ چین را

زہے حسنِ بیانِ دلربائش
کہ روشن کرد انوار معین را

تعالیٰ اللہ چہ شانِ خواجۂ ما
کہ می ساند خجل مہر مبین را

غلامِ او اگر ہمت نماید
بسازد آسمانِ خوش زمین را

صفاتِ حق چناں نازاں بذاتش
کہ خوبہا عروس نازنین را

چہ نقشے شد عیاں از کلکِ قدرت
بہ بیں ہاں بیں سر لوح جبیں را

رُخِ اُو عاشقاں را صبح اُمید
ز زلفش روشنی ہا شب نشین را

جمالِ او دلِ بے نور را تاب
ضیا سنگِ درش نقش جبیں را

ترا می زیبد اے معنی چہ گوی
کہ تصویرم جمالِ یادسیں را

بتاریخ السلف از طبع نقاد
برآوردی زکان دُرِ ثمیں را

کشیدی رشتۂ در گوہر خویش
عجب نقشے نشاندی آں نگیں را

بحلق وہم برہان تو خنجر
بیانت غازۂ روئے یقیں را

جزاک اللہ فی الدارین خیرا
کہ تنقیحت سزد صد آفریں را

سنِ تصنیفِ اُو اے غوث بنشاں
بلوح دہر تاریخ المبیں را
۱۳۴۴ھ

نزادشِ قلمِ حقیقت رقم جناب طفیل احمد صاحب عارف بدایونی

بارک اللہ کہ حضرت معنی
بتقاضائے طبعِ بے ہمتا

خوش بفنِ سیر کتاب نوشت
گوے سبقت ربودہ از قدما

کارِ تحقیق را رساند بجائے
کہ نماند احتمالِ شک اصلا

داد تصنیف داد چند لئے
نیست کس را مجالِ چون وچرا

خستگانراست نسخہ مرہم
تشنگاں راست جملہ آبِ بقا

حالِ خواجہ بشرح وبسط رقم
کرد از خامۂ سخن پیرا

ہست در ذرّہ جلوہ گر خورشید
ہست در قطرہ موجزن دریا

باہمہ فرطِ اعتقاد کہ داشت
کرد حقّ مورخانہ ادا

راندہ زاسلافِ پاک خویش سخن
بابراہین محکم وغرّا

چارہ جز اعتراف ہیچ ندید
باہمہ اختلاف خود اعدا

خواجۂ فخرِ دیں گردیزی
کہ بود مقتدائے اہلِ صفا

داشت با خواجۂ معین الدین
چند در چند ربطِ نسبتہا

نسبِ صاحبِ کتاب چو دُر
یافت فرِّ فروغ ایں دریا

گوہرِ پاک ایں خجستہ گروہ
منتہی مے شود باں یکتا

سالِ تاریخ فیض موہبت است
۱۳۱۳ھ
عارف از خامۂ عقیدت را

اثر خامہ اعجاز بیان مولوی سید اعجاز علی صاحب اعجاز اجمیری

چہ گویم وصف تاریخ السلف را
چہ گویم رفعت پرواز معنی

ز ہر یک حرف پیدا شان تحقیق
بہر یک لفظ پنہاں راز معنی

جمالے یافت مضمون از مطالب
زبان نطق شد گویا ز معنی

ز روح القدس چوں تائید آمد
صداقت گشت ہم آواز معنی

کتابے ہست یا الہام صادق
بیانے ہست یا اعجاز معنی

نتیجۂ فکر نثار الملک فطرت علم میر آمدی صبا اجمیری

چشم بد دور حضرت معنی — خوب ہی لاجواب ہے تاریخ

اسکا مضمون ہے ہر ایک چیدہ — واہ کیا انتخاب ہے تاریخ

اسکا ہر لفظ مادہ کامل ہے — روکش آفتاب ہے تاریخ

ایک نایاب ہے یہ گنجینہ — ایک نادر کتاب ہے تاریخ

میر اسکی عجیب ہے ترتیب

یہ۔ عجب لاجواب ہے تاریخ

۱۳۴۴ھ

عزیزی پریس آگرہ میں چھپی